جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۴ نمبر

ربیع اوّل / ربیع ثانی ۱۴۴۰ھ / دسمبر ۲۰۱۸ء

شمارہ نمبر ۹

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰/روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ذرا نم ہو تو یہ مٹی..........

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ہندوستان کے موجودہ ماحول میں مذہب کے نام پر باہمی منافرت، ایک دوسرے سے عداوت اور غیر اسلامی و غیر فطری حرکات نے پورے ہندوستان کا سکون اور یہاں کی امن وامان کی فضا کو انتہائی مسموم بنا دیا ہے، ہمارا وطن ہندوستان جنت نشان رقابتوں اور عداوتوں کے گرداب بلاخیز میں پھنسا ہے، افتراق وانتشار کے اژدہے انسانوں کی انسانیت کو نگلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اس خطرناک صورت حال کی بہت بڑی ذمہ دار یہاں کی فرقہ پرست تنظیمیں اور مذہب وملت کو آلہ بنا کر ہندوستانیوں کے جذبات سے کھیلنے والے افراد ہیں، ملک کے موجودہ حالات مسلمانوں کے حق میں ناگفتہ بہ ہوتے جارہے ہیں، ایک طرح سے مسلمانوں کو عدم تحفظ کا احساس ہوتا جارہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کو ان ابتر حالات میں اپنے اعمال وکردار اور طرز معاشرت پر بھی غور کرنا چاہئے کہ جس مذہب اور دین کے ہم پیروکار ہیں اس دین اور اس مذہب کو تو **الاسلام یعلو ولا یعلی** کی تاریخی ضمانت ملی ہوئی ہے، پھر حالات مسلمانوں کے حق میں کیوں نہیں ہیں؟ امن وسکون غارت کرنے پر اغیار کیوں تلے ہوئے ہیں؟ مسلمانوں اور ان کے مذہب اسلام کو مشقِ ستم کیوں بنایا جارہا ہے؟

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ہم مسلمانان ہند نے ان سب ناروا اور غیر آئینی حرکتوں کو ختم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں، تعلیمی اعتبار سے ہمارا تناسب ملک میں بہت کم ہے، حالانکہ علم سیکھنا اور اس کے حصول میں مسلسل کوشاں رہنا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جز ہے، اس لیے کہ علم کے بغیر انسان اور چوپایوں میں فرق نہیں رہ جاتا، خود فراموشی کے ساتھ انسان خدا فراموشی کا مرتکب ہوتا ہے، اپنے مقصد تخلیق کی معرفت سے محروم رہتا ہے،

علم آدمی کو اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے اور اسے اس کی تخلیق کے مقصد حقیقی سے آگاہ کرتا ہے، احکام خداوندی کی مکمل پاسداری کرتا ہے تو دنیاوی فوز و فلاح اس کا مقدر بنتی ہے اور وہ زمانے میں سرخ رو ہوتا ہے، علم، تہذیب وتمدن سے آراستہ کر کے معاشرے کی تعمیر و ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔

مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ان کی ذاتی بے حسی، جدوجہد کی کمی اور جہالت ہے، اس کی وجہ سے امت میں تعلیمی انقلاب کا جذبہ جس انداز سے ہونا چاہئے وہ حاصل نہیں ہو پا رہا ہے۔ تعلیمی اور معاشی پسماندگی دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلم امت خود بیدار ہو، اور اسے اپنا اہم مسئلہ سمجھ کر جدوجہد کرے۔

معاشرتی ترقی کے سلسلے میں محض سماجیات کی تعلیم ہی مسئلہ کا حل نہیں جیسا کہ بعض اہل دانش کا خیال ہے بلکہ معاشرہ کو اسلامی تقاضوں کے مطابق اُستوار کرنا ہوگا اور یہ چیز علم کو عمل کے دائرہ میں لائے بغیر ممکن نہیں۔

معاشرہ کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لئے عزم پیہم اور جہدِ مسلسل سے گزرنا ہوگا، یہ داستانِ عزم و وفا بڑی دشوار گزار اور قربانیوں کی متقاضی ہے، جب تک اس مشن کے حامل و وارث علم و عمل سے مزین ہو کر مخلصانہ اور مشترکہ مساعی بروئے کار نہیں لائیں گے، اس وقت تک اُنہیں مطلوبہ نتائج کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ملک دشمن عناصر کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور دینی شعور کا پیدا ہونا انتہائی اہم اور ضروری ہے، اس لئے کہ تعلیم ایک خاموش انقلاب لاتی ہے، اس کے لیے نعروں کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے لیے حکومتی امداد کی بھی ضرورت نہیں، مقامی مسلم آبادی کو متحرک کیا جائے اور انہیں تعلیم و تربیت کی اہمیت بتائی جائے تو یقیناً اتنے وسائل مہیا کئے جاسکتے ہیں جن سے مقامی سکول و کالج کو چلایا جاسکے، البتہ اس اسکول کا نصاب مغربی تعلیم کا چربہ نہ ہو، بلکہ یہ نصاب اسلامی نظریۂ علم اور

اسلامی کلچر پر مبنی ہو، ان اسکولوں میں مسلم طلبہ کو نہ صرف صحیح خطوط پر تعلیم دی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے ،یعنی تعمیر سیرت اور کردار سازی اس کا لازمی حصہ اور نتیجہ ہو، اس سے بڑی تعداد میں ایسے افراد تیار ہونا شروع ہوجائیں گے جو قوم وطن کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ ہونگے ،ملک کی تعمیر وترقی کے لئے مثبت کردار ادا کریں گے، جوخود اپنی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہوں گے اور اپنے عمل و کردار سے دوسروں کے لئے راہ عمل متعین کریں گے اس طرح سے تعمیر ملک وملت کی فضا ہموار ہوگی۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ باہمی مفاہمت کا ماحول پیدا کیا جائے ،غیر مسلم حضرات کو اپنے سے قریب کیا جائے ،اسلامی تعلیمات کی ان کی زبان میں وضاحت کی جائے تا کہ اسلام کی فطری اور امن عالم کی ضامن تعلیمات کو یہ حضرات جانیں اور ان کی وحشت، ان کی نفرت ختم ہو، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم خود اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات کا علم رکھیں گے، ان کو سیکھنے اور برتنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح پیار، محبت ،امن وامان اور برادران وطن کے ساتھ حسنِ سلوک کو بھی رواج دیا جائے ،اس لئے کہ ہندوستان کے موجودہ ماحول کے تناظر میں نفرت سے نفرت اور دشمنی سے دشمنی پیدا ہونا ایک بدیہی بات ہے، بقول مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط ''اس چکر سے نکلنے کے لئے نفرت کو محبت سے اور دشمنی کو دوستی سے بدلنے کی ضرورت ہے، آگ کا جواب پانی ہے، زہر کا علاج تریاق ہے، اگر کوئی حق ناشناس ہم سے نفرت وعداوت کا معاملہ کرتا ہے تو ہم اس سے محبت ویگانگت سے ملیں، جس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی دنیا کو اخوت ومساوات کا سبق دیا ہے اس کی سیرت کو برتنے کی ہم بھر پور کوشش کریں یقیناً نفرت کے خارزاروں میں محبت واخوت کے گل وگلزار کھلیں گے۔

اگر ہندوستانی مسلمانوں کو کوئی تاریخی رول ادا کرنا ہے تو اس کا ایک عملی پہلو یہ ہے کہ ہم میں ہر فرد دوسروں سے شخصی رابطہ اس طرح پیدا کرے کہ مقابل کے دل میں اتر جائے ،مقابل

کے دماغ میں خودبخود محبت ویگانگت پیدا ہوجائے گی، ہم مسلمان اپنے جن برادرِ وطن کو اپنا سب سے بڑا مخالف سمجھیں ان سے محبت انگیز انداز میں ملیں، اس کی غلط فہمیاں ازخود دور اور کافور ہوجائیں گی، اور اپنے مدمقابل کو یہ باور کرائیں کہ ہم اس کے حریف نہیں بلکہ حلیف ہیں اور اپنے ہیں، یہ باہمی ربط وارتباط رقابتوں اور عداوتوں کو دور کرکے محبتوں کی نعمتوں سے ہمکنار کرے گا، سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر بارش کے چھینٹوں سے مردہ زمین میں زندگی آسکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ محبت کے چھینٹوں سے مردہ دلوں کو ازسرِنو زندگی نہ ملے اور ہماری مایوسیوں کو امید بھری روشنیاں نہ فراہم ہوں۔‘‘

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری حکمرانی دلوں پر ہوتو کام بنے گا، اسلامی تعلیمات میں انسانیت کی عظمت اور انسانیت کے احترام کے رہنما خطوط متعین کئے گئے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کے ملکی وملی مسائل کا صحیح اور درست حل کل بھی اسلامی اقدار روایات کو بحال کرکے ہی ملتا تھا اور آج بھی اسی کی ضرورت ہے۔

آج ہم پھر سے اسلامی تعلیمات کو عملی جامہ پہنائیں گے تو آپسی دوریاں نزدیکیوں میں تبدیل ہونگی، اور یقینا ہوں گی، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنا عملی رشتہ قرآن مجید سے استوار کریں اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں دنیا کی کوئی بھی طاقت بجز قرآن مجید کے مسلمانوں کو زندہ نہیں رکھ سکتی، مسلمانوں کے تحفظ کی گارنٹی صرف اور صرف وہ اسلامی اخلاق واقدار ہیں جن کی طرف رہنمائی قرآن پاک نے فرمائی ہے **انتم الاعلون إن کنتم مومنین** ایک دم صریحی اعلان ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے کشتِ زارِ آدمیت ابھی ویران نہیں ہے بلکہ تھوڑی سی نمی لانے کی ضرورت ہے ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

درسِ قرآن

آدابِ ملاقات

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اِنَّ الَّذین یُنَادونک مِنْ وَّرآء الحُجرٰت اَکثَرُھم لایَعقلُوْن۔ ولَو اَنَّھم صَبرُواحَتّی تَخرجَ اِلَیھِم لکَان خَیراً لَّھُم واللّٰہُ غَفُور رَّحِیم۔

جولوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں، اور اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ غفور رحیم ہیں۔ (ابن کثیر، بیان القرآن)

شانِ نزول:

عرب کے مشہور قبیلے بنوتمیم کے چندلوگ آپ سے ملنے آئے، وقت دوپہر کا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے حجروں میں سے کسی میں آرام فرمارہے تھے (وفدوا وقت الظھیرۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راقد۔ اللباب ۱۷/۵۲۷)۔

بجائے اس کے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کرتے، باہر سے زور زور سے غیر مہذب انداز میں آواز دینے لگے۔ محمد! باہر نکل۔

(یامحمد! اخرج الینا ویصیحون) باہر نکل۔

ان کے اس طرح چیخنے چلانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی، اس پر یہ آیات شریفہ نازل ہوئی۔

تشریح وتوضیح:

آیت شریفہ میں بتایا گیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آرام گاہ، خلوت خانہ

میں تشریف فرما ہوں تو اس طرح گنوار پن کے ساتھ آپ کو آوازیں لگانا سخت بے ادبی، کم عقلی، بے تمیزی کی بات ہے، ممکن ہے کہ آپ کسی اہم کام میں مشغول ہوں نیز آپ کو بھی تو کچھ وقت آرام، گھریلو ضروریات، مستورات کے مسائل کے لیے درکار ہے۔

صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ جب مجلس میں تشریف فرما ہوں تو تعظیم و توقیر، تواضع اختیار کرتے ہوئے اپنی ضروریات پیش کریں۔

(بل الادب الحضور بین یدیه وعرض الحاجة الیه — اللباب ۱۷/ ۵۲۷)۔

سرمۂ بصیرت:

حضرت مدنیؒ جب پہلی مرتبہ تھانہ بھون تشریف لے گئے تو یہ صورت پیش آئی کہ رات کو جلال آباد پہنچے (تھانہ بھون اس وقت اسٹیشن تھا نہیں) وہاں سے بستر سر پر رکھ کر تھانہ بھون پہنچے، پوچھتے پوچھتے خانقاہ تشریف لے گئے، اس وقت خانقاہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا، دروازہ کھٹکھٹایا، ملازم آیا، دوازہ کھولے بغیر کواڑ کی آڑ میں کھڑے ہو کر پوچھا کون؟ حضرت نے کہا حسین احمد، اس نے کہا کہ یہاں دروازہ بند ہونے کے بعد کھلنے کا قانون نہیں، حضرت نے سوچا کہ اب کہاں جاؤں کسی سے جان پہچان نہیں، آخر پوچھ پاچھ کر حضرت تھانویؒ کے مکان پر پہنچے اور دروازہ کے سامنے بستر بچھا کر لیٹ گیے صبح ہوئی بستر لپیٹا، حضرت تھانویؒ تشریف لے آئے حضرت نے دیکھ کر دریافت فرمایا کون؟ عرض کیا! حسین احمد۔ فرمایا ہیں، آپ اس وقت یہاں کیسے؟ حضرت نے فرمایا حضرت کا قانون کسی غریب کو خانقاہ میں داخلہ کی اجازت کہاں دیتا ہے؟ وہاں غریبوں کے لیے دروازہ نہیں کھلتا، اس کے بعد بتایا یہ صورت پیش آئی، اس پر حضرت اپنے ساتھ خانقاہ لے گئے اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنے خادموں سے فرمایا کہ دیکھو یہ مستثنیٰ ہیں جب آئیں ان کے لیے دروازہ کھول دینا۔

پیغام:

دور صحابہ میں پیش آنے والے بیشتر واقعات امت کے واسطے عظیم رحمت اور ذریعہ

ہدایت ہوتے ہیں یہ واقعہ بنوتمیم بھی انہی میں سے ایک ہے، جس سے صاف طور سے معلوم ہورہا ہے کہ جس شخص سے ملاقات کرنی ہو پہلے اس سے ملاقات کا وقت معلوم کرلے بالخصوص علماء ومشائخ کے یہاں حاضری میں اس کا ضرور لحاظ رہے، علماء انبیاء کے وارث ہیں ان کے ساتھ بھی وہی ادب اختیار کرنا ہے جو نبی کی زندگی میں نبی کے ساتھ کرنا تھا۔

ایسا نہیں کہ جب چاہا جس کے یہاں چاہا جادھمکے اور اپنے مرتب نظام کو فوقیت دے کر وقت بے وقت دعا مصافحہ و ملاقات کی کوشش کرنے لگے، ان حضرات کی دینی تدریسی، تصنیفی مشغولیات ہیں، کچھ کے مخصوص معمولات ہیں، اگر ہر وقت ہر شخص کو حاضری و ملاقات کی اجازت دی جائے تو سارا نظام ہی مختل ہوجائے گا اور جس ترتیب کے ساتھ دینی خدمات انجام دی جارہی ہیں ان میں رخنہ پڑ جائے گا۔

نیز وہ بھی دوسروں کی طرح انسان ہی ہیں، گھریلو ضروریات بھی ہیں، اس لیے نہ آواز دے، نہ ان کا دروازہ کھٹکھٹائے بلکہ اتنے وقت تک کا انتظار کرے کہ وہ خود ملاقات کے لیے تیار ہوجائیں (حتی تخرج الیھم) ابوعبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کے یہاں جاکر دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔ جاکر بیٹھ جاتا جب وہ ازخود نکلتے تو ملاقات کرلیتا (**مَا دَقَقْتُ الْبَابَ عَلٰی عَالِمٍ قَطُّ كُنْتُ اَصْبِرُ حَتّٰى يَخْرُجَ** ۔روح البیان ۹/ ۶۹)۔

دنیا میں آج بھی بنوتمیم کے بدوؤں اور گنواروں جیسے غیر مہذب لوگوں کی کمی نہیں جن کو علماء ومشائخ کی یہ بات بہت کھلتی ہے کہ ان کے اوقات منضبط کیوں ہیں؟۔ ہمہ وقت ہمہ شخص کو ملاقات کی اجازت کیوں نہیں، ان کے دروازے ہمارے لیے فرش راہ کیوں نہیں اگر اس پر متنبہ کیا جائے تو وہ خود تو قرآنی اخلاق سیکھتے نہیں، الٹا علماء ہی کو طعنہ دیتے ہیں کہ ان کے اخلاق درست نہیں ؎

چراغ خانہ کجاست نور آفتاب کجا ☆ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

انوارِ حدیث

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے.........

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کا اہتمام

عن أوس بن أوس قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن من أفضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فأكثروا عليَّ من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة عليَّ، قال:قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمتَ قال:يقولون بليت، فقال:إن الله عز وجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء (ابوداود کتاب الصلاۃ ۱؍۱۵۰،نسائی ۱؍۲۰۳،ابن ماجہ ۷۶و۱۱۸)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ، اوراسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن (دوسری مرتبہ کا) صور پھونکا جائے گا، اوراسی دن ایک ہولناک آواز ہوگی یعنی پہلا صور پھونکا جائے گا، لہٰذا تم لوگ اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، توصحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اوراس وقت ہمارا درود آپ کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی اور آپ کا جسم مٹی میں مل جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔

جمعہ کا دن اپنی گونا گوں خصوصیات کی وجہ سے بڑی اہمیت وفضیلت کا دن ہے، جمعہ کے دن کا شمار افضل دنوں میں ہوتا ہے اوراسی طرح درود شریف کا شمار بھی افضل عبادتوں میں ہوتا ہے،

لہٰذا اس افضل دن کو اس افضل عبادت میں صرف کرنا چاہئے کیونکہ وقت کی افضلیت سے عبادت کی افضلیت بڑھ جاتی ہے، نیز جمعہ کا دن سید الایام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الانام ہیں، اس لئے سید الایام کو سید الانام کے قرب کے حصول کی کوشش میں گزارنا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے کی تعلیم وترغیب دی ہے، اور فرمایا کہ تمہارے درود کو میرے سامنے اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے کسی کے سامنے ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اور تمہارا یہ عمل میرے قرب کا باعث ہے، اور یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، دنیا میں کہیں بھی کوئی درود شریف پڑھتا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر جو لوگ درود وسلام پڑھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود سنتے ہیں۔

جمعہ کے دن قبولیت دعا کا وقت

عن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري قال: قال لي عبدالله بن عمر: أَسَمِعْتَ أباک يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في شأن ساعة الجمعة؟ قال قلتُ: نعم، سمعته يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: هي ما بين أن يجلس الإمام الى أن تقضى الصلاة (صحیح مسلم ۱/۲۸۱، سنن ابی داود ۱/۱۵۰)

حضرت ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے دریافت کیا کہ: تم نے جمعہ کی ساعتِ قبولیت کے بارے میں اپنے والد صاحب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نقل کرتے ہوئے سنا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں! میں نے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قبولیت کا وہ وقت امام کے خطبہ دینے کے لئے بیٹھنے سے نماز مکمل ہونے تک ہے۔

عن جابر بن عبدالله رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "يوم الجمعة ثنتا عشرة" يريد ساعة "لا يوجد مسلم يسأل الله شيئاً إلا آتاه الله

عز و جل فالتمسوھا آخر ساعۃ بعد العصر (سنن ابی داود ۱/ ۱۵۰)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جمعہ کے دن بارہ گھڑی (گھنٹے) ہیں (ان میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ) جو مسلمان بھی اس میں اللہ تعالی سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے وہ چیز ضرور بالضرور عطا فرماتے ہیں اس لئے اس وقت کو عصر کے بعد آخری گھڑیوں میں تلاش کرو۔

عن أنس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: "التمسوا الساعۃ التی ترجی في یوم الجمعۃ بعد العصر الی غیبوبۃ الشمس" (سنن الترمذی ۱/ ۱۱۱)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : جمعہ کے دن جس وقت قبولیت دعا کی امید ہے اسے عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک تلاش کرو۔

جمعہ کے دن ایک ایسی مبارک گھڑی آتی ہے جس کا دورانیہ اگر چہ مختصر ہوتا ہے لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ بندہ اس مبارک لمحہ میں زبان سے یا دل ہی دل میں جو دعا کرتا ہے، اللہ تعالی اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔

لیکن یہ مبارک گھڑی جمعہ کے دن کس وقت آتی ہے؟ اس سلسلہ میں ائمہ وشراح حدیث کے اقوال بہت مختلف ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ۴۳/ اقوال نقل فرمائے ہیں اور پھر ان میں سے دو قول کو راجح قرار دیا ہے۔

پہلا وہ ہے جو حضرت ابو موسی اشعریؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ وہ مبارک وقت امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز مکمل ہونے کے درمیان میں ہوتا ہے، محب طبری نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں وارد احادیث میں سب سے صحیح یہی ابو موسی اشعری کی حدیث ہے، اور بیہقی، ابن العربی، قرطبی، نووی اور ایک پوری جماعت اسی کے صواب ہونے کی قائل ہے۔

اور دوسرا راجح قول یہ ہے کہ وہ وقت عصر کے بعد آخری ساعتوں میں ہوتا ہے، یہ قول

اس باب کا سب سے مشہور قول ہے، ابوسلمہ بن عبدالرحمن ؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس وقت کے سلسلہ میں مذاکرہ کیا تو وہ بھی اسی موقف پر متفق ہوکر اٹھے کہ وہ جمعہ کی دن کی آخری ساعت ہے۔

بعض ائمہ نے ان دونوں اقوال میں جمع کی کوشش کی ہے، چنانچہ ''ابن قیمؒ'' فرماتے ہیں کہ اجابتِ دعا انہی دو وقتوں میں سے کسی ایک میں منحصر ہے، اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک کے بارے میں اور کبھی دوسرے کے بارے میں خبر دی ہو؛ اس لئے ان دونوں وقتوں میں اہتمام سے دعا کرنی چاہئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ان دونوں وقتوں کے درمیان اجابتِ دعا کے منحصر ہونے پر بہت لطیف اور چشم کشا دلیل سے استدلال کیا ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے دنیا کی تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر اپنی لطیف حکمت سے ہر نوع کے بعض افراد یا شخص کے بعض اجزاء کو منتخب فرمایا اور اللہ تعالی کے انتخابات کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی جب بھی کسی شئ کے بعض حصہ کا انتخاب کرتے ہیں تو اس کو تین حصوں میں تقسیم کردیتے ہیں اور اکثر اس کا آخری ثلث منتخب فرماتے ہیں، چنانچہ رات کا تیسرا پہر، دن کا تیسرا حصہ جس کی بناء پر عصر کی نماز کی محافظت کی تاکید آئی ہے، سال کی آخری تہائی جس کا آغاز رمضان سے ہوتا ہے اور اسی میں حج کے دو ماہ بھی ہیں، رمضان کا ثلثِ اخیر، اور اس میں بھی ۲۷ ؍ رمضان سے اخیر کے تین دن بطور خاص اہم ہیں .... اسی طرح یومِ جمعہ کی آخری تہائی منتخب کی گئی ہے جس کا آغاز امام کے خطبہ دینے کے لئے بیٹھنے سے یعنی زوال کے بعد سے ہوتا ہے اور دن کے آخری حصہ تک رہتا ہے اور اس کی بھی آخری تہائی یعنی عصر کے بعد کی آخری ساعتیں اپنے اوائل کے مقابلہ میں اجابتِ دعا کا بہتر مظان ہے۔

اور ملا علی قاریؒ نے اس مبارک ساعت کو پانے کے دو طریقے ذکر فرمائے ہیں:

(۱) ایک جماعت بنالی جائے اور جمعہ کے پورے دن کو مختلف حصوں میں تقسیم

کر کے تمام افراد کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے اپنے وقت میں اپنے لئے اور پوری جماعت کے لئے دعا کرے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کی فجر سے غروبِ شمس تک دعا کا قلبی طور پر استحضار رکھا جائے اور دعا کے لئے تلفظ شرط نہیں ہے اس لئے خطبہ کے وقت بھی یہ قلبی استحضار جاری رکھا جا سکتا ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: ظاہر یہ ہے کہ اجابتِ دعا کا یہ وقت ایک لطیف ساعت ہے جس کا وقت شہروں اور خطباء کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اس لئے کہ دنیا میں ایک ہی وقت میں کہیں دن ہوتا ہے، کہیں رات ہوتی ہے اور اسی طرح کہیں ظہر کا وقت ہے تو کہیں عصر کا، کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ سورج کا ایک درجہ حرکت کرتا ہے تو ایک قوم کے یہاں وہ طلوع ہوتا ہے تو دوسروں کے یہاں غروب ہوتا ہے۔

(تلخیص وترجمانی از فتح الباری ۲/ ۵۲۷، عمدۃ القاری (۵ ۹۳) فتح الملہم ۲/ ۳۹۳۔۳۹۵،
مرقاۃ ۳/ ۴۰۲۔ ۴۰۴، مرعاۃ المفاتیح ۵/ ۴۸۲۔ ۴۸۵، بذل ۵/ ۱۷۔ ۲۴، ردالمحتار علی الدر المختار ۳/ ۳۹۔ ۴۰)

اللہ ورسول سے حقیقی محبت

عبدالرحمن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے آپ نے فرمایا تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت! ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ ورسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ ورسول اس سے محبت کریں تو اس کو چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے، اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنی خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۲/ ۲۰۱ رقم الحدیث ۱۵۳۳)

عظمتِ خواتین اور اسلام

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی

فی زمانہ اسلام اور مسلمانوں پر الزامات کے شدید حملے کیے جارہے ہیں، الزامات کے یہ حملے میڈیا کے ذریعے کیے جارہے ہیں، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک، دونوں کے توسط سے اسلام کو بدنام کرنے کا عمل جاری ہے، مارکیٹ میں ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں، جن میں اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

ٹی وی پر روز بروز اسلام پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، ڈبیٹس کے نام پر مسلمانوں کو کوسا جاتا ہے اور اسلام کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ سب منصوبہ بند طریقے سے ہوتا ہے، جان بوجھ کر ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے جن پر سوالات اٹھائے جاسکیں اور ڈبیٹس میں حصہ لینے والے مسلمانوں کو گھیر کر لاجواب کیا جاسکے، اس پر مستزاد یہ کہ اسلام کی نمائندگی کرنے کے لیے عام طور پر ان علما کو دعوت دی جاتی ہے جن کا مطالعہ محدود ہوتا ہے یا جو اختصار کے ساتھ عقلی اور نقلی دلائل سے اپنی بات کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دوسرے شرکا کے ذریعے اٹھائے جانے والے سوالات کا جواب نہیں دے پاتے، اس پر مزید ستم یہ ہوتا ہے کہ ٹی وی اینکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے، وہ بھی بڑھ چڑھ کر سوال کرتا ہے اور علما کو لاجواب کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر بعض علما صحیح انداز سے جواب دیتے ہیں اور اپنی بات کو متاثر کن اور ٹھوس دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو ان کی بات کو اینکر کاٹ دیتا ہے اور دوسرے مخالف شریکِ بحث کی طرف چلا جاتا ہے، مجموعی طور پر وہ مسلمانوں کو لاجواب اور اسلام کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ناظرین یہ اندازہ لگالیں کہ مسلمانوں اور اسلام کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور اسلام کمزور مذہب ہے، ٹی وی چینلوں پر ایسی درجنوں بحثیں دیکھی جاسکتی ہیں، اسلام

اور مسلمانوں کے لیے یہ وقت بڑا صبر آزما ہے کہ وہ مخالف ماحول میں کیا کریں؟

جن موضوعات کو آج کل زیر بحث لایا جارہا ہے، ان میں بعض کا تعلق عورتوں سے ہے۔ خواتین کے حوالے سے کبھی تین طلاق، کبھی حلالہ، کبھی برقع اور کبھی دوسرے پہلوؤں پر بحثیں کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ مسلم معاشرے میں عورتیں مظلوم ہیں، ان پر ظلم وتشدد کیا جاتا ہے، حلالہ کی آڑ میں ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے، انھیں تعلیم حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے، ان کو ترقی نہیں کرنے دی جاتی، انھیں گھروں میں قید کر کے رکھا جاتا ہے، زبردستی برقع پہنایا جاتا ہے اور بات بات پر انھیں مارا پیٹا جاتا ہے۔

یہ تاثرات ٹی وی پر ہونے والے مباحثوں سے سامنے آتے ہیں اور سوشل میڈیا پر بھی اسی طرح کی باتیں کی جاتی ہیں، بات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ در پردہ اسلام کو آڑے ہاتھوں لیا جاتا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو عزت نہیں دی اور انھیں ترقی سے روکا ہے۔

مباحثوں اور اس طرح کے پروپیگنڈے کا اثر یہ ہے کہ غیر مسلم سوسائٹیوں میں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان عورتوں پر تشدد کے پہاڑ توڑتے ہیں اور اسلام میں عورتوں کے لیے اہم مقام نہیں ہے، یہ خیالات صرف ناخواندہ افراد کے نہیں ہیں، بلکہ تعلیم یافتہ حضرات کے بھی ہیں اور ان طلبا وطالبات کے بھی جو کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں، حد تو یہ ہے کہ اس طرح کے رجحانات اب بہت سے ان مسلمانوں کے بھی بنتے جارہے ہیں جو غیر اسلامی ماحول میں رہتے ہیں اور اسلامی تعلیم ان کے پاس نہیں ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام نے خواتین کو اعلی مقام سے نوازا ہے، ان کا حد درجہ خیال رکھا ہے، ان کو کامیاب کرنے کے مواقع دیے ہیں اور ماحول کو ان کے لیے سازگار کیا ہے، اگر خواتین کی عظمت وحقوق کی بات اسلام اور دیگر مذاہب کے تناظر میں کی جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہوگا کہ اسلام نے دیگر مذاہب سے زیادہ عورت کا احترام کیا ہے، اسے عزت دی ہے اور اسے فلاح یاب

کرنے کے لیے بہترین تعلیمات پیش کی ہیں، اگر صنف نازک کے حوالے سے اسلام کے مقابلے جدید نظریات کو دیکھا جائے اور حقوق انسانی کی بات کرنے والی تنظیموں کے خیالات کا جائزہ لیا جائے تو وہ اسلام کے مقابلے میں بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔

بعثتِ اسلام سے قبل عورتوں کے ساتھ نہایت سوتیلا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اس وقت موجود مذاہب خواتین کے تحفظ میں ناکام ثابت ہورہے تھے بلکہ ان کے بعض خیالات خواتین کی بابت ایسے تھے جن سے خواتین کے مقام پر ضرب لگتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، اسلام نے عورتوں کے بارے میں پاکیزہ تعلیمات پیش کیں اور انھیں سماج میں مساوی حقوق عطا کیے، اگر وہ بچیاں ہیں تو اسلام میں ان کی پرورش وتربیت پر توجہ دلائی گئی اور اس کی فضیلتیں بیان کی گئیں۔

بعثتِ اسلام سے قبل عرب کے معاشرے میں نومولود بچیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا، اسلام نے اس مجرمانہ روایت کو یکسر ختم کردیا اور بچیوں کی پرورش پر خاصی توجہ دلائی، دورانِ پرورش لڑکے اور لڑکی کے درمیان کسی بھی طرح کی تفریق سے منع کیا، جب لڑکیاں بڑی ہوئیں اور ان کی شادی ہوگئی تو اسلام نے شوہروں کو تاکید کی: ''**وعاشروهن بالمعروف**'' اور ان کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو، شوہروں کے ذمے ان کا نان ونفقہ متعین کیا کہ شوہر کمائے اور اپنی بیوی کے اخراجات کو پورا کرے، یعنی عورتوں کو کمانے کے دوران آنے والی بہت سی پریشانیوں سے محفوظ کردیا گیا، وہ آرام سے گھر میں رہ سکتی ہیں اور کمانے کی فکر سے آزاد ہیں، اس کے باوجود اگر وہ تجارت وملازت کرنا چاہتی ہیں تو انھیں اسے روکا بھی نہیں گیا، اچھے ماحول میں وہ تجارت وملازت بھی کرسکتی ہیں۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ انھیں تجارت وغیرہ کی بھی اجازت ہے کہ وہ معاشی ترقی کرسکتی ہیں اور اگر وہ معاشیات کے حصول کے لیے بہت سے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتیں تو یہ ان کے اوپر ہے، شوہر تو ان کا خرچ پورا کرنے والا ہی ہے، یہ نظریہ عورتوں کے حق میں ہے لیکن معاندینِ اسلام اس نظریے کو عورت مخالف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام عورتوں کو گھروں میں قید کردیتا ہے، انھیں ملازمت نہیں کرنے دیتا اور آگے بڑھنے سے روکتا ہے، اسے

ذہنی فساد ہی کہا جاسکتا ہے کہ مثبت بات کو منفی بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔

جب عورت ماں بنتی ہے تو اسے اور اہم مقام عطا ہوتا ہے، اس کے درجات کو بلند کردیا جاتا ہے، خاندان میں اس کی عزت مزید دوبالا ہوتی ہے، ایک طرف وہ اپنے شوہر کی چہیتی ہوتی ہے، وہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے، اس کے حقوق کا خیال رکھتا ہے، اس کو خرچ دیتا ہے، دوسری طرف اس کے بچے اس کا احترام کرتے ہیں، خدمت کرتے ہیں اور بہترین سلوک کرتے ہیں، اسلام میں ماں کے مقام ومنصب کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار ایک صحابی پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معلوم کرنے لگے کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امُک، (تیری ماں)، اس کے بعد ان صحابی نے دوبارہ سوال کیا کہ ثم من؟ پھر کون؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ثم امک (پھر تیری ماں) اس کے بعد صحابیؓ نے عرض کیا ثم من؟ آپؐ نے فرمایا ثم امک، پھر تیری ماں۔ اس کے بعد صحابی نے معلوم کیا ثم من؟ آپؐ نے فرمایا: ثم اباک ادناک، پھر تیرے باپ اور رشتہ دار۔

غور کیجئے حسن سلوک کی پہلی حقدار ماں ہے، دوسرے نمبر پر بھی ماں ہے، تیسرے نمبر پر بھی ماں ہے اور چوتھے نمبر پر باپ، پھر دیگر اعزا واقارب۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لیے لازم ہے کہ وہ ترجیحی طور پر اپنی والدہ کی خدمت کرے اور اس کے ساتھ حسن کا معاملہ کرے، عورتوں کو تینوں حیثیتوں میں خاصی اہمیت دی گئی، یعنی جب وہ بچی تھی، تب اس کا خیال رکھا گیا، جب وہ شادی شدہ ہوئی تو اس کو عزت عطا کی گئی اور جب وہ ماں بنی تو اس کو احترام واعزاز سے نوازا گیا۔

اگر ابدی کامیابی کے لحاظ سے عورتوں کی بات کریں تو عورت کو وہ تمام چیزیں عطا کی گئیں جو مردوں کو دی گئیں، مثال کے طور پر پانچ وقت کی نماز مردوں پر فرض کی گئی تاکہ وہ ''وماخلقت الجن والانس'' پر پورے اترسکیں اور اپنے مقام ومنصب کو بڑھا سکیں تو عورتوں کو بھی پانچ وقت کی نمازیں

دی گئیں، ایک بھی کم نہیں کی گئی اور نہ زیادہ، مردوں پر رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض کیے گئے، اس طرح عورتوں پر بھی رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض کیے گئے، زکوۃ صاحبِ نصاب مردوں پر فرض کی گئی تو صاحبِ نصاب عورتوں پر بھی زکوۃ فرض کی گئی، قربانی صاحب نصاب مردوں پر واجب ہے تو صاحبِ نصاب عورتوں پر بھی واجب ہے، اسی طرح حج بیت اللہ ان مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے جو من استطاع الیہ سبیلاً کے تحت آتے ہیں، تو جو عورتیں اپنے پاس اتنی مالیت رکھتی ہیں یا اتنی طاقت رکھتی ہیں کہ مکہ پہنچ سکیں تو ان پر بھی حج پر فرض ہے، گویا کہ ہر جگہ اسلام نے عورتوں کو مساویانہ حقوق عطا کیے، عزت کا معاملہ ہو یا عبادت کا معاملہ، ہر جگہ عورتوں کو اہمیت دی گئی، اور اگر کہیں کوئی رخصت دی گئی تو وہ ان کی سہولتوں کے لیے، اور اگر کسی چیز کا انھیں پابند بنایا گیا تو ان کے فائدے کے لیے جیسا کہ پردے کے معاملے کو لے لیجئے ، ’’پردہ‘‘ عورت کے حق میں ہے، مخالفت میں نہیں، عورت اس طرح بہت سی ہوس ناک نظروں سے محفوظ ہو جاتی ہے اور بہت سی خطرناک وارداتوں سے تحفظ کا بھی پردہ ذریعہ ہے۔

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آج کا میڈیا عورتوں کے تعلق سے اسلام کی تعلیمات کو غلط طور پر پیش کر رہا ہے اور انھیں ورغلا رہا ہے، انھیں آزادیٔ نسواں کے نام پر غیر محفوظ کرنے پر آمادہ کر رہا ہے، ان کو جرائم کا شکار بنانا چاہتا ہے، عورتوں کو بڑی سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ کیا چیز ان کے حق میں ہے اور کیا چیز ان کی مخالفت میں ہے، دورِ حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں رچی جا رہی ہیں ان سے بھی چوکنا رہنا چاہئے اور یہ بات ذہن میں بٹھانی چاہیے کہ اسلام کسی کے ساتھ ناانصافی و زیادتی نہیں کرتا ہے، جو لوگ اسلام کے خلاف باتیں بنا رہے ہیں، انھیں یا تو اسلام کی تعلیمات سے کما حقہ واقفیت نہیں یا پھر وہ عناد اور دشمنی میں ایسا کر رہے ہیں، اسلام کی تعلیمات کے سنجیدہ مطالعے سے حقیقتِ حال خود واضح ہو جاتی ہے، اس لیے دوسروں کے الزامات یا باتوں پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ خود اسلام کا مطالعہ کیا جائے اور عورتوں کے تعلق سے اسلام کیا باتیں پیش کرتا ہے، ان کو گہرائی سے دیکھا جائے۔

ملک کے موجودہ حالات میں

امکانات کی روشنی بھی ہے

مولانا یحییٰ نعمانی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ملک کے حالات کی ایک تصویر تو آپ کو میڈیا سے ملتی ہے، جو دکھاتی ہے کہ ملک میں مسلمانوں سے نفرت اور غصہ بھر گیا ہے، آئے دن کے واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں، شدت ونفرت اور غضب وانتقام پسندی کی یہ آگ اصل میں تو انتہا پسند تنظیموں کی لگائی ہوئی تھی ہی، لیکن ہر لمحے مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے والا مواد نشر کر کے اس کو طوفانی شکل دینے کا کام بے ضمیر میڈیا انجام دے رہا ہے، اور سرمایہ داروں کی لوٹ اور حکومت کی بد کرداریوں کو چھپانے اور مظلوم طبقات کی جدوجہد دبانے کے لیے بکاؤ میڈیا اور سیاسی پارٹیاں آگ بھڑکانے کا کام کر رہے ہیں، یہ اصل میں ظالم ومظلوم کی کشمکش میں ظالم کی ایک مکارانہ چال ہے۔

نفرت وغصے کی یہ تصویر جھوٹی نہیں ہے، ملک میں نفرت بڑھ رہی ہے، مگر ملک میں دوسرے امکانات بھی موجود ہیں، ان کی شناخت، قدر اور استعمال ہی ہمارے لیے واحد راستہ ہے، محض تشویش وتکلیف کا اظہار صحافت تو ہوسکتا ہے علاج تو قطعاً نہیں۔

حکمت کا تقاضا ہے کہ اس صورت حال کو بہتر بنانے کے امکانات ڈھونڈے جائیں اور ان کی خوب نشان دہی کی جائے، تاکہ ملک کے امن وانصاف پسندوں کے لیے روشنی کی کرن اور راہ عمل فراہم ہوسکے۔

ہم اللہ کی ذات عالی پر بھروسہ کر کے پورے اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ ابھی ملک میں امکانات کی بڑی گنجائش موجود ہے، ایک طرف تو میڈیا سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نفرت نے دلوں میں آگ لگا رکھی ہے، مگر واقعہ یقیناً یہ بھی ہے کہ ابھی بھی ان جنونیوں اور شر پسندوں کی تعداد

بہت زیادہ نہیں ہے، ملک کی غالب اکثریت امن پسند اور شرافت کی قدر کرنے والی ہے۔

یہ میرا عمر بھر کا تجربہ ہے کہ ملک میں عام غیر مسلم آبادی، تمام ذات برادریوں اور علاقوں کی، مسلمانوں کے ساتھ اچھا ہی برتاؤ کرتی ہے، گزشتہ مہینوں میں میڈیا نے اپنی ہیجان خیزی سے جو نفسیاتی جنگ ملک میں چھیڑ رکھی ہے، اس کی وجہ سے دل میں خیال آیا کہ جب بھی موقع ملے تو ایک مرتبہ پھر جائزہ لیا جائے کہ کیا عام غیر مسلم کی نگاہ بدل گئی ہے؟

گزشتہ ایک ڈیڑھ مہینے کے دوران جو ذاتی تجربات ہوئے ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ عام غیر مسلم کے سامنے ایک باوقار شریفانہ مسلم کی تصویر رکھی جائے تو اس کو عزت واحترام ملتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا جو تجربہ میں پیش کرنا چاہوں گا وہ ابھی دو ہفتے قبل کا ہے، اہل خانہ کا ایک چھوٹا سا آپریشن ہونا تھا، لکھنؤ کے کنگ جارج میڈیکل کالج میں آپریشن طے ہوا، جن ڈاکٹر صاحب نے آپریشن کیا ان سے تو کسی نے تعارف کرا دیا تھا اور وہ خصوصی توجہ دے رہے تھے، لیکن اس آپریشن سے پہلے کچھ نزاکتوں کی وجہ سے دسیوں جانچیں اسپتال میں کرائی گئیں، بار بار جانا اور پھر آپریشن کے دوران اور بعد میں بلا مبالغہ دسیوں غیر مسلم ڈاکٹروں اور عملے کے لوگوں سے واسطہ پڑا، میں اللہ کے شکر کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے بہت سے لوگوں سے وہ اکرام ملا جو کسی مریض اور اس کے تیمارداروں کے ساتھ ان کے معاملے میں نظر نہیں آتا تھا، اپنی مولویانہ وضع قطع کی وجہ سے میں اضافی عزت وتکریم ہی پاتا تھا، مجھ سے کہیں، نفرت تو دور، کسی اجنبیت اور غیریت کا معاملہ بھی نہیں کیا گیا۔

لکھنؤ سکریٹریٹ میں ملازم ایک غیر مسلم اپنی بچی کا آپریشن کرانے کے لیے آئے ہوئے تھے، پاس بیٹھے تو معمولی سی کچھ بات چیت ہو گئی، ایک مرحلے پر جب ان کی بچی کو تکلیف تھی بہت معمولی سی مدد کر دی گئی، آپریشن کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے ان کی بیٹی کا حال پوچھ لیا، بس وہ شخص بچھ ہی تو گیا! نیازمندی سے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا، اس کے بعد خیریت بتائی۔

ایک موقع پر میں نے عملے سے کہا کہ آپ یہ کام جلد کر دیں مجھے نماز پڑھنی ہے، ہمیشہ کی طرح ہی تجربہ ہوا، ایک غیر مسلم بھائی نے فورا دوسرے ساتھی سے کہا ان کو نماز کو جانا ہے جلد کام کرو، سیکڑوں مرتبہ کا یہ تجربہ ہے کہ ٹرین میں، ایر پورٹ یا کسی بھی عوامی جگہ پر نماز کے لیے عزت کے ساتھ ہی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔

قصہ کافی پرانا ہے مگر نماز کی مناسبت سے ذکر کردوں، سڑک کے سفر میں وضو کے لیے پانی ڈھونڈ رہا تھا، ایک مندر پر گاڑی رکوائی، پجاری سے پانی اور نماز کی اجازت مانگی، اس نے بڑی عزت کے ساتھ پانی لا کر دیا اور مندر کے صحن میں ایک تخت کی طرف اشارہ کر کے کہا: مانئیہ مولانا جی! یہ پوتر ہے اس پر پڑھ لیجیے، اور پھر ہم نے مندر میں نماز پڑھی۔

ابھی کچھ دن پہلے دہلی کا ایک سفر ہوا، میں ماحول کا اسی نقطۂ نظر سے جائزہ لیتا رہا کہ نفرت انگیزی کی مہم کے باوجود انسانیت کی گنجائش کتنی ہے، وہی جو ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ مولویت احترام ہی کی مستحق قرار پاتی ہے۔

گزشتہ سال مئی میں والد ماجد مدظلہ کا گجرات میں ایکسیڈنٹ ہوا، احمد آباد میں ایک ایسے اسپتال میں آپریشن اور علاج ہوا جس میں ایک شخص بھی مسلم نہیں تھا، مگر سرجن ڈاکٹر دنیش ٹھکر جو غالبا اس اسپتال کے مالک بھی تھے، نہایت عقیدت واحترام سے پیش آتے، دیر تک ادب سے کھڑے رہتے، بار بار اپنے اس تأثر کا اظہار کرتے کہ میں نے اپنی عمر میں ایسا مریض نہیں دیکھا، مریضوں کے تیمار دار دعاؤں کے لیے آتے، ایک تیواری صاحب جو کسی محکمے کے سکریٹری لیول کے افسر تھے، ہاتھ جوڑ کر دعائیں لیتے، بڑی منت ولجاجت سے کچھ ہدیہ بھی پیش کرتے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ میڈیا کی تصویر یہ ہے کہ ڈاڑھی کرتا نفرت کی نظر سے دیکھے جارہے ہیں مگر اکثر تجربہ یہ ہورہا ہے کہ مولویت احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، پہلی تصویر بھی بالکلیہ غلط نہیں ہے، مگر کوئی شبہہ نہیں کہ دوسری تصویر بھی ایک بڑی زمینی حقیقت ہے، بات یہ ہے کہ شر پسندوں اور جنونیوں کا ایک گروہ ہے، جو منظم ہے اور وسائل سے مالا مال

ہونے کے علاوہ ملک کو لوٹنے والے اور اس کے غریب عوام کا خون چوسنے والے سرمایہ داروں کے کام کی چیز ہے، وہ عوام کو اپنی لوٹ سے غافل رکھنے کے لیے نفرت انگیز ٹولے سے کام لیتا ہے، سرمایہ دار کی حمایت اور خود منظم ہونا یہی ان کی طاقت ہے اور بس!

وقت کی سب سے اہم ضرورت یہی ہے کہ ان امکانات سے کام لیتے ہوئے ملک میں نفرت وظلم کے ان کاروباریوں سے عوام میں نفرت پیدا کی جائے، ان کے کالے کارناموں اور جھوٹ اور فریب پر مبنی ان کے پروپیگنڈے کی حقیقت کھولی جائے، یاد رکھیے کہ آپ کے پاس بڑی طاقت موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ ملک کی آبادی کی ایک بڑی اکثریت (اگرچہ نہ بہت ایمان دار ہے نہ غیر جانب دار اور نہ حق پرست، مگر) اس میں انسانیت باقی ہے، ہم اگرچہ منظم نہیں ہیں، نہ اس طرح کے کسی ملکی مشن کے لیے ہمارے پاس سرمایے کی طاقت ہے، مگر ہماری طاقت عوام کی طاقت ہے، زمینی سطح پر ہمارے لیے یقیناً زیادہ گنجائش ہے، میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اس ملک کے عام آدمی تک حق وانصاف اور انسانیت وشرافت کا پیغام پہونچانا ناممکن ہو گیا ہے، آپ میں سے جو شخص زمینی سطح پر عام انسانوں سے رابطہ کرتا ہوگا، وہ یقیناً اس کی تصدیق کرے گا کہ اگر لوگوں سے شرافت اور وقار وسنجیدگی کے ساتھ پیش آیا جائے تو (سوائے چند بدمعاش قسم کے غنڈہ صفت عناصر کے) لوگ عزت وہمدردی کا معاملہ کرتے ہیں۔ ہمارے ملکی معاملات اور رویے میں انہی دو صفات کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ (۱) شرافت (۲) وقار وسنجیدگی۔

ملک کی فضا اب بدل رہی ہے، خصوصا موجودہ حکومت کے ملکی بربادی کے اس دور نے، جس نے سب کچھ تباہ کر دیا، اس کا خاص موقعہ فراہم کیا ہے کہ عام غیر مسلموں کو نفرت وعداوت اور جھوٹ کی ان سازشوں سے باخبر کیا جائے، لوگ دھوکے سے باہر آرہے ہیں، میڈیا کا ذلیل وضمیر فروش کردار اب کسی سے چھپا نہیں، لیکن عوام میں اپنی بات دوسروں تک پہونچانے کے دوسرے ذرائع موجود ہیں، جن میں سب سے اہم اور مؤثر ذریعہ ہم سب کا براہ راست رابطہ اور معاملہ ہے، مسلمانوں کے گھر گھر اور چپے چپے تک یہ پیغام پہونچانا ضروری ہے کہ اس ملک میں

ان کی بقا اس سے وابستہ ہے کہ ان میں غیر مسلموں کو انسانیت وشرافت کی تصویر نظر آئے۔

اس کے علاوہ سوشل میڈیا ایک طاقت ور متبادل ذریعے کے طور پر سامنے آیا ہے، سازشی ٹولے نے اس کو افواہیں پھیلانے اور نفرت انگیزی کے لیے خوب استعمال کیا ہے، بلامبالغہ ہزاروں لوگوں کو اسی کام پر ملازم رکھا گیا ہے، مگر اب خود غیر مسلموں میں ایک بڑی تعداد نے جھوٹ کی تردید اور اس فسادی جماعت کو ننگا کرنے پر کمر کس لی ہے، ٹھیک ہے کہ ہم اتنے بڑے پیمانے پر کام نہیں کر سکتے مگر عوامی طاقت کو متحرک کر کے اس سے کہیں بڑی سچ کی تحریک چلا سکتے ہیں، ہم میں سے ہر پڑھا لکھا شخص دن کا تھوڑا سا وقت خرچ کر کے ایک میڈیا رضا کار بن سکتا ہے، اور ایسی عوامی تحریک کا مقابلہ نہ سرمایہ دار کرسکتا ہے نہ حکومتیں، اس کے لیے عوامی تحریک چلائیے، نوجوانوں اور طلبہ کو خصوصا اس طرف متوجہ کیجیے اور تحریک پیدا کرنے کے ساتھ باقاعدہ ٹریننگ کے پروگرام بھی منعقد کیجیے۔

حالات کے پیش نظر ہم کو ملک کے عام انسانوں تک دو موضوعات پر معلومات فراہم کرنی ہیں۔ (۱) اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلائے جارہے جھوٹ کی تردید۔ (۲) ملک میں نفرت اور فساد پیدا کرنے والے گروہوں کے سیاہ کارناموں اور انسانیت سوز کردار پر سے پردہ اٹھانا۔ جس میں مظلوم طبقات، اقلیتوں، دلتوں، آدی باسیوں، غریبوں، مزدوروں اور کسانوں پر ہونے والے لگاتار مظالم اور استحصال کی پالیسیوں کو بھی آشکارا کیا جائے اور حکومت کے نام سے جاری لوٹ کے سسٹم کی پردہ دری بھی کی جائے۔

آپ جب یہ کام کریں گے تو گالیاں بھی ملیں گی اور برافروختہ کرنے کی کوششیں بھی ہوں گی، مگر سمجھ لیجیے کہ یہ بدقماش ٹولہ ہمارا مخاطب ہے ہی نہیں، اس سے، قرآنی تعلیم کے مطابق، اعراض کر کے دوسروں تک اپنی بات پہونچائے جانا ہے۔

یہ کام اگر کسی انتظامی ارتکاز کے ساتھ ہوں گے تو ان کو نشانہ بنایا جاسکے گا، اور اگر انفرادی طور پر انجام پائیں گے تو کام کرتے رہیں گے، ہماری ایک بیماری یہ ہے کہ جب کسی نئے کام کی ضرورت

پڑتی ہے تو پوری قوم دینی جماعتوں اور طبقۂ علماء سے ہی اس کے انجام دیے جانے کی توقع کرتی ہے، جان لینا چاہیے یہ کام علماء اور دینی جماعتوں کے بس کا نہیں، وہ اس میں جزوی طور پر یا مددگار کے طور پر اور علمی و دینی رہنمائی کے ذریعے شریک تو ہو سکتے ہیں، خود اس کا بوجھ اٹھانے کا کام تو ٹیکنکل تعلیم یافتہ اور ملکی زبانوں سے آراستہ طبقہ ہی کر سکتا ہے۔ ہاں علماء کی خاص ذمے داری اس کی تحریک اور لوگوں کو اس طرف توجہ دلانا ہے۔

مگر کیا اپنی غفلت کو خیرباد کہہ کے ہم اس کے لیے کمر کسیں گے؟

”خاک پائے شہ کونین نے عزت بخشی“

دل کو اللہ نے ایماں کی حلاوت بخشی	○	حمد لکھنے کی اسی نے ہے لیاقت بخشی
دل کی آنکھوں سے ذرا اپنی حقیقت دیکھو	○	کیسی اللہ کی ہوتی ہے حکومت بخشی
مالک الملک وہی قادر مطلق ہے وہی	○	اس کی ہی ذات نے ہے عزت و ذلت بخشی
رحمت خاص سے قرآن کی دولت بخشی	○	پھر زبانوں میں بیاں کی بھی طلاقت بخشی
عقل دے کے ہمیں دنیا پہ سیادت بخشی	○	فضل ہے لطفِ سراپا یہ عنایت بخشی
زیورِ علم سے انسان کو زینت بخشی		مالک الملک نے پھر اپنی خلافت بخشی
یہ زمیں آسماں یہ چاند ستارے دریا	○	ان کی تخلیق سے مخلوق کو راحت بخشی
اس کے احسان بہرحال ہیں بے حد و حساب	○	قابل ذکر ہے توفیقِ اطاعت بخشی
انبیاء بھیج کے احسان پہ احسان کیا	○	ہم نے مانگا بھی نہیں پھر بھی یہ نعمت بخشی
اہلِ ایمان میں بعضوں کو یہ انعام ملا	○	نفس لوامہ دیا دل کو خشیت بخشی
کھیت کھلیان ہوں تالاب ہوں ندی نالے	○	ان سے دنیا کو حقیقت میں ہے زینت بخشی
یہ بھی انعام پہ انعام مسلسل انعام	○	اپنی تعریف کی عارفؔ کو سہولت بخشی

کلام : حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیر آبادی مدظلہ العالی

سبِّ صحابہؓ اور عقیدۂ اہل السنۃ والجماعۃ

مولانا محمد معاویہ سعدی، شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف، مظاہر علوم

اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری جماعت کا، اللہ نے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وخدمت، اپنے دین کی نصرت وحمایت، اور مذہبِ اسلام کی اِشاعت وشوکت کے لیے خصوصی انتخاب فرمایا تھا، اِسی لیے اِس قافلے کا ہر فرد اپنی ذات میں ایک انجمن، اور اِس بزم کا ہر شریک اپنے آپ میں ایک روشن چراغ تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: (**وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی**. سورۃ النمل: ۵۹) **هُم أصحاب محمدٍ اصطفاهم الله لنبيه**۔ (کہ اللہ تعالی نے یہ جو فرمایا ہے کہ سلامتی ہو میرے منتخب بندوں پر، تو اِس سے مراد صحابۂ کرامؓ ہیں، جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لیے منتخب فرمایا ہے)۔

اِسی طرح کا مضمون حضرت ابن مسعود، ابن عمر اور حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے اِس آیت کی تفسیر سے الگ، مطلق طور پر بھی منقول ہے۔

صحابہ کی اِنہی خصوصیات اور امتیاز وانفرادیت کی بناء پر، اُمت نے ہمیشہ اُن کے مقام ومرتبہ کا ہر طرح سے پاس ولحاظ کیا، اور بلاتفریق اور استثناء کے جماعتِ صحابہ کے ہر ہر فرد سے محبت، اُس کے ادب واحترام اور عظمت واِجلال کو اپنے فکر وعقیدے میں شامل رکھا۔

اُمت نے جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں ادنی گستاخی کو بھی موجبِ کفر اور سببِ ہلاکت قرار دیا ہے، اِسی طرح فرقِ مراتب کے لحاظ کے ساتھ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی عدالت وثقاہت اور اعتبار واعتماد کو بھی ہر طرح کے شکوک وشبہات

سے بالاتر قرار دیا ہے، اور اُس پر کسی بھی کسی قسم کا نقد وتبصرہ کرنے والوں پر گمراہی اور زندیقیت کا حکم لگایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: **الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضاً، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه (ترمذی ۳۸۶۲)۔**

(اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، ان کو اپنی تنقید کا نشانہ مت بناؤ، جو اُن سے محبت کرتا ہے تو وہ میری نسبت ہی کا خیال کرکے کرتا ہے، اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض کا نتیجہ ہے، جو انھیں ایذاء پہنچائے اُس نے گویا مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو اُس نے یقیناً اللہ کو ناراض کیا، اور جس نے اللہ کو ناراض کیا تو قریب ہے کہ اللہ اُس کا مؤاخذہ فرمالیں)۔

ایک اور حدیثِ صحیح میں سبِّ صحابہ سے ممانعت وارِد ہوئی ہے، آپ نے حضرت خالد بن الولیدؓ کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''**لا تَسُبُّوا أصحابي**'' (بخاری: ۳۶۷۳، مسلم: ۲۵۴۰)۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: کہ اِس حدیث میں جب ایک صحابی کو دوسرے صحابی کو کچھ کہنے سے منع کیا جارہا ہے، تو غیر صحابی کے لیے تو یہ ممانعت بدرجۂ اولی ہوگی، اِس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ایسے مواقع پر عمومِ لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے، خصوصِ مورِد کا نہیں، یہی اکثر کی رائے ہے، اور اِسی کو قاضی عیاضؒ نے بھی درست قرار دیا ہے۔ (فتح المغیث ۴/۹۶)۔

علامہ سخاویؒ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ ''صحبت'' کا یہاں عام مفہوم ہی مراد ہے، کسی خاص مدت تک کی صحبت نہیں، اِس کی بڑی دلیل وہ قصہ ہے جس میں ایک بدوی (دیہاتی) کو انصارِ مدینہ کی ہجو کرنے کے الزام میں حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر کیا گیا، حضرتؓ نے جرم ثابت ہوجانے پر، یہ کہہ کر چھوڑ دیا: لولا أن له صحبةً من رسول الله صلی الله علیه وسلم ما أدري ما نال فیها لکفیتکموه، ولکن له صحبة۔

(اگر اِس کو صحابیت کا وہ شرف حاصل نہ ہوتا جس کی برکت سے نہ معلوم یہ کس مقام پر پہنچ چکا ہے تو میں تمہاری طرف سے اِس کے لیے کافی ہوجاتا، مگر یہ صحابی ہے، اِس لیے جانے دو)۔

فتوقف عمر عن معاتبته، فضلاً عن معاقبته، لكونه علم أنه لقي النبي صلى الله عليه وسلم. وفي ذلك: أبينُ شاهد على أنهم كانوا يعتقدون أن شأن الصحبة لا يعدله شيء.

(سخاویؒ فرماتے ہیں: تو حضرت عمرؓ نے سزا تو دور کی بات ہے، ڈانٹ ڈپٹ بھی نہیں کی، صرف اِس وجہ سے کہ اُن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقاء حاصل تھا، اِس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ شرفِ صحبت اور صحابیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں)۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ شرفِ صحبت خواہ کتنا بھی قلیل ہو، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے یہاں مطلق صحابہ کی تعظیم کا معمول ہمیشہ رہا، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے سامنے کسی نے حضرت امیر معاویہؓ پر کوئی تبصرہ کیا تو اُنھوں نے منع کرتے ہوئے، مندرجہ بالا قصہ سنایا۔ (فتح المغیث ۴/۹۹)۔

قاضی ابویعلی حنبلیؒ "طبقاتِ حنابلہ" ۲/۷۳ میں فرماتے ہیں: **واعلم أنه من تناول أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه أراد محمداً صلى الله عليه وسلم وقد آذاه في قبره.**

(جو شخص کسی صحابیٔ رسول سے برائی کے ساتھ نشانۂ ملامت بنا رہا ہے تو یقین کرلو کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کچھ کہنا چاہتا ہے، اور قبر شریف میں آپ کی ذات پاک کو تکلیف پہنچا رہا ہے)۔

"تاریخ دمشق" ۷۱/۱۷۵ میں حافظ ابن عساکر، اِمام نسائیؒ سے نقل کرتے ہیں: **سئل عن معاوية بن أبي سفيان صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنما الإسلام كدارٍ لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن آذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نقر الباب إنما يريد دخول الباب. قال: فمن أراد معاوية فإنما أراد الصحابة.**

(امام نسائیؒ سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اسلام کی مثال

اُس گھر کی سی ہے جس کا ایک دروازہ ہو، تو اسلام کا دروازہ صحابہ ہیں، جو شخص صحابہ کو تکلیف پہنچائے گویا وہ اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے، جیسے کوئی شخص دروازہ کھٹ کھٹا رہا ہے تو گویا وہ گھر کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے، لہذا جو معاویہ کو نشانۂ تنقید بنا رہا ہے تو اُس کا اصل نشانہ صحابہ ہی ہیں)۔

امام وکیعؒ فرماتے ہیں: کہ جس طرح دروازے کا کنڈا ہلانے سے پورے دروازے میں حرکت ہوتی ہے، اِسی طرح حضرت امیر معاویہؓ پر کوئی تبصرہ کرنے سے پوری جماعتِ صحابہ پر زد پڑتی ہے (تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۹/۲۱۰)۔

مشہور محدث خطیبِ بغدادیؒ ''الکفایۃ'' (ص ۴۹) میں امام ابوزرعہ رازیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة۔

(جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ بددین شخص ہے، اِس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے، آپ کا لایا ہوا قرآن سچا، اور آپ کے لائے ہوئے دین، اور کتاب وسنت کو ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ ہی ہیں، تو یہ بددین لوگ ہمارے اِن واسطوں اور گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ یہ خود ہی مجروح اور زندیق لوگ ہیں)۔

قاضی ابویعلی حنبلیؒ ''طبقات الحنابلہ'' ۲/۲۱ میں حضرت سفیان بن عیینہؒ کا مقولہ نقل کرتے ہیں: **من نطق في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بكلمةٍ فهو صاحب هوى۔**

(جو صحابہ کی شان میں گستاخی کا ایک جملہ بھی بولے سمجھ لو کہ بدعتی ہے)۔

حافظ ابن عساکر دمشقیؒ ''تاریخ دمشق'' ۵۹/۲۰۹ میں میمونیؒ کے حوالے سے اِمام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں: **قال لي أحمد بن حنبل: يا أبا الحسن إذا رأيت رجلاً يذكر**

أحداًمن أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم بسوءٍ فاتهمه على الاسلام .

(کہ جب کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی پر تنقید کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا دین مشکوک ہے) ۔

ابن عساکر ''تاریخ دمشق'' ۵۹ / ۲۱۰ میں امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں: سئل عن رجل انتقص معاوية وعمرو بن العاص، أيقال له رافضي؟ قال: إنه لم يجترئ عليهما إلا وله خبيئةُ سوءٍ، ما يبغض أحدٌ أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا وله داخلة سوء۔

(امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ کوئی شخص حضرت معاویہؓ یا عمرو بن العاصؓ کی تنقیص کرتا ہے کیا اُس کو رافضی کہا جائے گا؟ فرمایا: اُن کی تنقیص کی جرأت وہی شخص کرسکتا ہے جو بد باطن ہو، کوئی بھی کسی بھی صحابیٔ رسول سے اگر بغض رکھتا ہے تو یہ اُس کے بد باطن ہونے کی علامت ہے) ۔

اِسی طرح کی شرعی نصوص، حدیثی روایات اور ائمۂ اسلام کے اقوال کی بنیاد پر تمام سلف وخلف نے ہر ہر صحابی کے ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کو لازم قرار دیا ہے، عدالتِ صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح، نووی، عراقی، ابن حجر، سخاوی، سیوطی اور ان کے علاوہ بہت سارے فقہاء، محدثین اور اصولیین رحمہم اللہ نے اپنے اپنے انداز میں یہ بات بطور خاص ذکر کی ہے کہ :

إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة، حيث نص اللہ ورسوله على عدالتهم، فهل بعد تعديل اللہ عز وجل ورسوله صلّى اللہ عليه وسلم تعديلٌ؟ فالصّحابة كلهم عدول، ومن لابس الفتن منهم فكذلك بإجماع العلماء الذين يعتد بهم في الاجماع، إحساناً للظن بهم، ونظراً إلى ما تمهد لهم من المآثر، وحملاً لهم في ذلك على الاجتهاد، فتلك أمورٌ مبناها عليه، وكل مجتهد مصيب، أو المصيب واحد، والمخطئ معذور، بل مأجور.

(چوں کہ اللہ ورسول نے صحابہ کی تعدیل فرمادی ہے اِس لیے تمام صحابہ کی عدالت پر اُمت کا اجماع ہے، اِس لیے کہ اللہ ورسول کی تعدیل کے بعد کسی اور کی تعدیل کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، لہذا

تمام صحابہ (خواہ اُن کا اِختلاف اور مشاجرے سے تعلق ہو، یا نہ ہو، سب) کی عدالت پر اُمت کے اُن تمام طبقات کا اجماع ہے، جن کا ''اِجماع'' کی بحث میں اعتبار کیا جاتا ہے، صحابہ سے حسنِ ظن کی بناء پر، اور غزوات وفتوحات اور اِقامتِ دین کے سلسلے میں اُن کے بے نظیر کارناموں پر نظر کرتے ہوئے، اور اُن سے جو غلطیاں ہوئیں اُن کا مبنی اجتہاد تھا، اور مجتہد کے بارے میں قاعدہ ہے کہ .... خطا کی صورت میں معذور ہوتا ہے، بلکہ ایک اجر کا بھی مستحق ہوتا ہے)۔

پھر جو اِس اجماع سے انحراف کرتے ہیں، علامہ سخاویؒ نے اُن افراد اور طبقات کے نام شمار کرانے کے بعد اُن کے اقوال کو باطل قرار دیا ہے، اور جمہور ہی کے قول کو صحیح اور متعین قرار دیا ہے۔

اِسی لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی اہم کتابوں میں یہ عقیدہ بھی بطور خاص بیان کیا جاتا ہے:

نترحم عليهم ونذكر فضلهم ونكف عن زللهم ولا نذكر أحدا منهم إلا بالخير. (الفقہ الاکبر ص ۴۳، شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۱/ ۴۷۵، طبقات الحنابلۃ ۲/ ۲۱)۔

(ہم تمام صحابہ کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، اُن کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں، اُن کی زلات ولغزشات سے صرفِ نظر اور کفِّ لسان کرتے ہیں، اور اُن میں سے کسی کا بھی تذکرہ خیر کے بغیر نہیں کرتے)۔

بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی سب سے مستند ترین کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں یہ اضافہ بھی ہے:

ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم، ولا نذكرهم إلا بخير، وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان.

(ہم تمام صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، کسی کی محبت میں بھی کمی

نہیں کرتے، نہ کسی سے اِظہارِ براءت کرتے ہیں، ہاں جو اُن سے بغض رکھتا ہے یا خیر کے علاوہ کے ساتھ اُن کا ذکر کرتا ہے، تو ہم اُس سے بغض رکھتے ہیں، ہم صحابہ کا تذکرہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں، اُن کی محبت: دین، ایمان، اور اِحسان کی علامت ہے، اور اُن سے بغض رکھنا یہ کفر، نفاق اور سرکشی کی علامت ہے)۔

خلاصہ یہ کہ حبِّ صحابہ اور عظمتِ صحابہ ہی اہل السنۃ والجماعۃ (جن میں علمائے دیوبند اور سہارنپور بھی ہیں، سب) کا متفقہ اور اِجماعی عقیدہ ہے، اور کسی بھی صحابیٔ رسول پر سبّ وشتم، تنقید وتبصرہ، تبرا بازی، یا ادنی سی گستاخی بھی: ضلالت، گمراہی اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ وعمل سے انحراف ہے۔

ولا نقول فيهم إلا ما علمنا الله تعالى: رضي الله عنهم ورضوا عنه، وربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالايمان، ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا، ربنا إنك رؤوف رحيم، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

(بتعاون: محمد ایوب سہارنپوری متخصص فی الحدیث، ومتعلم شعبۂ اِفتاء، مظاہر علوم)

عطیہ بطور رشوت

حضرت ذوالزوائدؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر بہت سی باتوں کا حکم دیا اور بہت سی باتوں سے منع فرمایا پھر آپ نے پوچھا کہ کیا میں نے تبلیغ ورسالت کا حق ادا کر دیا؟ سب نے بیک زبان کہا ہاں، پھر آپ نے فرمایا کہ جب قریش آپس میں حکومت وسلطنت کے لیے جھگڑنے لگیں اور عطیہ بطور رشوت کے دیا جانے لگے تو اس عطیہ کو چھوڑ دو۔ (ابوداود ۲/۴۱۱)

مہر اور جہیز کی بے اعتدالیاں

مولانا محمد انعام الحق قاسمی، ریاض، سعودی عرب

ارشاد باری ہے وَ آتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (سورۃ النساء: ۴) اور عورتوں کے مہر بخوشی ادا کردیا کرو، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (النساء: ۲۴) پس جو لطف تم نے ان سے اٹھایا ہے اس کے بدلے ان کے مہر کو ایک فرض کے طور پر ادا کرو،

حدیث میں ہے کہ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ مہر دینا نہیں ہے تو وہ زانی ہے اور جو مہر ادا کیے بغیر مرجائے وہ قیامت کے دن زانیوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

مقدارِ مہر کی تعیین میں بے اعتدالی نہ برتی جائے اس کی مقدار اتنی ہو کہ مرد بہ آسانی بغیر قرض لیے اسے ادا کردے لَاتَغْلُوْا فِيْ مُهُوْرِ النِّسَآءِ لِتَكُوْنَ عَدَاوَةً (مسند احمد) عورتوں کے مہر کے معاملے میں اتنا غلو نہ کرو کہ عداوت کا سبب بن جائے۔

حضرت عائشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں اِنَّ اَعْظَمَ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُنَّ صَدَاقاً (مسند احمد، بیہقی) سب سے زیادہ برکت والی خاتون وہ ہے جس کا مہر سہل اور آسان ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادتی مہر کے بہت خلاف تھے مہر کی زیادتی نہ عزت وشرف کی چیز ہوتی ہے، نہ ہی اللہ کے نزدیک تقوی و پرہیز گاری کا عمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ سے زیادہ کسی بیوی یا بیٹی کا مہر مقرر نہیں فرمایا، سوائے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جن کے مہر کو نجاشی نے طے کیا تھا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدیہ کے طور پر ادا کردیا تھا۔

قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ صراحتاً ثابت ہے کہ مہر محض عورت کا حق ہے اور اسے نکاح کے بعد ادا کرنا فرض ہے، اگر یہ باقی رہ گیا تو یہ ایک قرض

ہے جس کا ادا کرنا فرض ہوگا، جو معاف نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ ایک حدیث کے مطابق قرض رکھنے والے شہید کو بھی معافی نہیں ہے۔

مہر کی ادائیگی میں اصل جلد از جلد ادا کرنا ہے، مہر کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا کہ مہر کی مقدار اتنی زیادہ مقرر کردی جائے کہ مرد کبھی بھی اپنی عورت کو طلاق دینے کی ہمت نہ کرسکے اور خدانخواستہ اگر طلاق دیتا ہے تو بطور جرمانہ اسے یہ بھاری بھرکم رقم ادا کرنی پڑیگی، یہ قرآن کریم اور احادیث کی روح کے بالکل خلاف ہے۔

جہیز کی شرعی حقیقت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو چار چیزیں عنایت فرمائی تھیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے **اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا زَوَّجَ فَاطِمَۃَ بَعَثَ مَعَھَا بِخَمِیْلَۃٍ وَ وِسَادَۃٍ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُھَا لِیْفٌ وَ رَحَیَیْنِ وَسِقَاءً وَ جَرَّتَیْنِ** (مسند احمد، الحاکم، والنسائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو ان کے ساتھ ایک مخملی چادر، چمڑے کا تکیہ جس کے اندر کھجور کی چھال بھری تھی، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو چھوٹے گھڑے۔

جہاں تک معاملہ اس کے سنت ہونے کا ہے تو کسی طور پر اسے سنت کہنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا تھا اور ان دونوں کو کوئی جہیز دینا احادیث میں وارد نہیں ہے؛ البتہ حضرت خدیجہؓ کا ہار حضرت زینبؓ کو دینا احادیث میں آتا ہے، اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیٹیوں کو بلا تفریق جہیز سے نوازتے، حضرت علیؓ کے نکاح کے وقت نہ آپؓ کا اپنا کوئی ذاتی گھر تھا اور نہ ہی کوئی ساز و سامان، جب آپؓ کے نکاح کی خبر حضرت حارث بن نعمانؓ نے سنی تو بخوشی اپنی سعادت سمجھتے ہوئے، اپنا ایک گھر حضرت علیؓ کو رہنے کے لیے پیش کردیا، حضرت علی اور فاطمہؓ دونوں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے، عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کا نکاح فرمایا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے میری بیوی کے پاس جانے کی اجازت دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **هل عندك شئ تعطيها**؟ اسے مہر میں دینے کے لیے تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری حطمیہ زرہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس ہے، تو فرمایا وہ اسے مہر میں دے دو، حضرت علیؓ نے اپنی زرہ حضرت عثمانؓ سے ۴۸۰ درہم میں فروخت کردی اور جاتے وقت حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ حضرت علیؓ کو ازراہِ محبت تحفے میں مرحمت کردی، اسی زرہ کے پیسے سے حضرت فاطمہؓ کے گھر گرہستی کا سامان خریدا اور حضرت عائشہ اور ام سلمہؓ کو حکم دیا کہ حضرت علی اور فاطمہؓ کے ساتھ ان کے گھر تک جاؤ۔ (رواہ احمد، ابوداود، بیہقی)

اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارے سامان حضرت علیؓ کے پیسے سے خریدے گئے تھے، نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں دیا تھا اس کو جہیز لینے اور دینے کے لیے کسی طرح حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے، داماد اور اس کے گھر والوں کے مطالبہ کے بغیر اپنی استطاعت کے مطابق بیٹی کو جو سامان دیا جائے، وہ تحفہ اور ہدیہ ہے، مہر کے ساتھ جہیز میں دیے گئے تمام سامان کی مالک لڑکی ہے، اسے بلاشرکت غیر تصرف کا حق ہے۔

جہیز کی سماجی تباہ کاریاں:

آج ہمارا معاشرہ طرح طرح کی برائیوں کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے امن وسکون، انسانیت، رواداری، انسان دوستی، آپسی الفت ومحبت اور بھائی چارگی کی لازوال دولت رخصت ہوتی جارہی ہے، آج ہمارے سماج کو جن داخلی برائیوں کا سب سے بڑا چیلنج ہے، ان میں سے ایک ''جہیز کی لعنت'' بھی ہے۔

جہیز ایک خطرناک کیڑے اور ناسور کی طرح بڑی تیزی کے ساتھ ہماری سماجی زندگی

کی ہڈیوں کو گھلاتا جا رہا ہے،جس کا ہمیں ذرہ برابر بھی احساس نہیں، رسمِ جہیز نے اپنے ساتھ سماجی تباہ کاری و بربادی کا جو نہ تھمنے والا طوفان برپا کیا ہے،اس نے برصغیر ہندو پاک کے معاشرہ کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے،آج ہماری سوسائٹی جہیز کی وجہ سے جن مصیبتوں میں گرفتار ہوتی جا رہی ہے، وہ مختلف النوع ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے ہی ضرر رساں پہلوؤں پر محیط ہے،جن کو ہم ان مختلف قسموں میں بانٹ سکتے ہیں:

(۱) خانہ تباہی: اگر لڑکی اپنی حیثیت سے زیادہ جہیز لاتی ہے تو اس کے والدین اس قدر مقروض ہوجاتے ہیں کہ اس سے سبکدوشی کے لیے دن رات ایک کر کے اپنا چین وسکون برباد کر لیتے ہیں، اگر جہیز لڑکے والوں کے حسب منشا نہیں ہے تو لڑکی کو بے جا تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور طعن وتشنیع کی بوچھار کر کے اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں اگر لڑکی والے طاقتور ہیں تو پھر مقدمہ بازی کا ایک لامحدود سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جس میں بسا اوقات کتنے ہی گھر تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔

(۲) مہر کی زیادتی: جہیز کی لعنتوں کی مار جھیل رہا سماج اب کثرت مہر کی پریشانیوں سے دو چار ہوتا جا رہا ہے؛ اس لیے کہ جب لڑکے والے جہیز کی خاطر اپنی حمیت و غیرت کا سودا کرنے پر بضد ہوجاتے ہیں تو پھر نکاح کے وقت لڑکی والے کی جانب سے مہر کی ایک خطیر رقم کی فرمائش ہوتی ہے؛ چونکہ لڑکے والے اپنی بے شرمی و بے حیائی کی وجہ سے مواقع گنوا چکے ہوتے ہیں، لہٰذا لڑکے کو مجبوراً قبول کرنی پڑتی ہے جو کہ لڑکے کی حیثیت سے زیادہ اور اس کی طاقت کے باہر ہوتی ہے۔اور شریعت کے خلاف ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ خبردار عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کیا کرو؛ کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت اور اللہ کے نزدیک پرہیزگاری ہوتی تو اس کے سب سے زیادہ مستحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے، مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ سے زیادہ پر اپنی کسی بیوی سے نکاح کیا یا اپنی کسی بیٹی کا نکاح کرایا ہو۔

اگر کوئی عورت دھوکہ سے بھی مہر کا مطالبہ کر بیٹھتی ہے تو پھر اس کی خیریت نہیں ہے، شوہر

کی ناراضگی اور غصہ کا سامنا تو اس کو کرنا ہی پڑتا ہے اوپر سے ساس، سسر، نند اور دیگر اہلِ خانہ کی جلی بھُنی بھی اس کو سننی پڑتی ہے؛ کیونکہ اس وقت اس کا مطالبہ شوہر اور اس کے اہل خانہ کی ناک اور انا کا مسئلہ بن جاتا ہے، لہٰذا کوئی عورت بھول سے بھی اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہتی؛ حالانکہ مہر عورت کا شوہر پر جبری حق ہے، جس کا ادا کرنا شوہر پر واجب ہے، اگر ادا کیے بغیر شوہر مر جاتا ہے تو قیامت کے دن اس مرد سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

بعض حالات میں زوجین کے مابین مزاج کی عدم موافقت یا بیوی کی بدچلنی اور بداخلاقی کے باوجود شوہر کثرت مہر کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا، پھر شوہر ایک مقید پنچھی کی طرح پھڑ پھڑا کر صبر وتحمل کا راستہ اختیار کرلیتا ہے، اگر کوئی باغیرت انسان اس طرح کی بدچلن عورت سے نجات حاصل کرنے کے لیے عزم مصمم کرلیتا ہے تو مہر کی اس خطیر رقم کو ادا کرنے میں اپنی ہر کوشش صرف کردیتا ہے، پھر نوبت مفلسی اور محتاجگی تک آپہنچتی ہے، جس کا حاصل خانہ بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۳) کثرت طلاق: رسم جہیز نے جو ہمارے سماج میں تباہی و بربادی کے دروازے کھولے ہیں، ان میں سے ایک کثرت طلاق ہے، آج کثرتِ جہیز کی لالچ میں طلاق دے کر اصول اسلام کا کھلا مذاق اڑایا جارہا ہے، اسلام نے ناگزیر حالت میں مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے ناجائز مطالبات کو منوانے کے لیے اس کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ حدیث میں ہے **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَا أَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئاً أَبْغَضَ مِنْ طَلَاقٍ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے، ان میں اللہ کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ (سنن ابوداود)

(۴) جنسی بے راہ روی: اس ترقی پذیر سماج میں جنسی بے راہ روی میں جہاں مغربی تہذیب کا اہم رول ہے، وہیں رسم جہیز کا بھی بہت بڑا دخل ہے، جن کے دو بڑے اسباب ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ شکمِ مادر میں لڑکیوں کا مسلسل قتل، جس کی وجہ سے لڑکیوں کی تعداد میں

حیرت انگیز کمی آتی جارہی ہے، اوراس کے مقابلہ میں لڑکوں کی تعداد میں دوگنا اضافہ ہورہا ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق پنجاب وہریانہ میں ۲۰۰۰ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد صرف ۱۲۰۰ ہے، کرناٹک میں ۱۰۰۰ لڑکوں کے مقابلے ۹۶۵ لڑکیاں ہیں اور جھارکھنڈ میں ۱۵۰۰ لڑکوں کے مقابلے میں ۱۱۲۲ لڑکیاں ہیں، ایسے حالات میں جوانی کی حد کو پار کرنے والے کنوارے نوجوان اپنے جنسی جذبات سے مغلوب ہوکر راستہ چلتے، چوک چوراہے یا جہاں موقع ملے سماج کی عفت مآب بیٹیوں کی عصمت تارتار کرتے ہیں، دوسرے بعض غریب لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی کے لیے جہیز اکٹھا کرنے میں اس قدر محو ہوجاتے ہیں کہ اسی درمیان لڑکی حدِ بلوغ کا آنگن چھلانگ چکی ہوتی ہے پھر جب اس کی جنسی خواہشات سر ابھارتی ہے تو بعض لڑکیاں پاکیزگی لٹا کر اپنے دامنِ عفت کو داغدار کرلیتی ہیں، ان میں سے بعض خودکشی بھی کرلیتی ہیں۔

(۵) موت کی سوداگری: آج جہیز کے نام پر ملت کی بے گناہ بیٹیوں کو جس طرح ہراساں کیا جارہا ہے، وہ انسانیت کا بڑا ہی شرمناک پہلو ہے، روزانہ صبح صبح آپ جب اخبار کی ورق گردانی کرتے ہیں تو جلی حرفوں میں دل دہلانے والی سرخیاں زینتِ نگاہ بنتی ہیں کہ فلاں جگہ کم جہیز لانے کے جرم میں بدن پر تیل ڈال کر آگ لگا دیا گیا تو فلاں مقام پر گلا گھونٹ کر قتل کردیا گیا اور فلاں جگہ جہیزی بھیڑیوں کی ایذارسانی سے تنگ آکر عورت نے خود ہی موت کو گلے لگالیا۔

دخترانِ ملت کی نسل کشی کا یہ سلسلہ زور پکڑتا جارہا ہے، نہ ملک کا قانون ان بے گناہوں کا مداوا بن رہا ہے اور نہ ہی حقوقِ نسواں کے علم بردار ادارے تحفظ فراہم کررہے ہیں، ہندوستان میں جہیزی چِتا کی بھینٹ چڑھنے والے صنفِ نازک کی جو تعداد ہمارے سامنے ہے، کسی ہوشمند اور حساس انسان کو تڑپا دینے کے لیے کافی ہے۔

ایک سروے کے مطابق ہمارے ہندوستان میں روزانہ ۱۹ عورتیں جہیز کی بلی چڑھ جاتی ہیں، ۲۰۰۵ء کی رپورٹ کے مطابق ہر ۷۷ منٹ پر ایک عورت جہیز کی سولی پر دم توڑتی نظر آتی ہے، کم جہیز

لانے کی پاداش میں جوعورتیں موت کے گھاٹ اتار دی گئیں، ان کی ممکنہ تعداد ذیل میں درج ہے: ۲۰۰۳ء میں ۶۲۰۸ عورتیں، ۲۰۰۴ء میں ۷۰۲۶ عورتیں اور ۲۰۰۵ء میں ۶۷۸۷ عورتیں، ان میں سے اکثر قتل کے واقعات اتر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، آندھراپریش، راجستھان، کرناٹک، اڑیسہ، ہریانہ اورتمل ناڈو میں واقع ہوئے، جہاں جہیزی اموات کی شرح بہت زیادہ ہے، سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۱۰ء سے لے کر آج تک ہر سال تقریباً ۹۰۰۰ نوہزار سے زیادہ خواتین کو جہیز کے معاملے کے باعث قتل کردیا گیا۔

(۶) عورتوں کی حق وراثت سے محرومی: جہیز کے پیسے کو حلال بنانے کے لیے یہ بہانہ بنایا جاتا ہے کہ جو ہم جہیز میں لے رہے ہیں لڑکی اپنے والدین کے مال میں اتنے کا حق رکھتی ہے، یہ بالکل واہیات فلسفہ ہے، ترکہ تو مرنے کے بعد تقسیم ہوتا ہے، زندگی میں نہیں۔

ہندو، لڑکی کے لیے وراثت کا حق تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انہوں نے تلک کی رسم ایجاد کرلی، مگر دینِ محمدی میں لڑکی بھی وراثت کا حق رکھتی ہے، پھر ہندوؤں کے طرز کو اپنانا اور خود کو مسلمان کہنا کہاں تک درست ہے؟

مسلمانوں میں جولوگ بااثر، دین دار اور قومی جذبہ رکھنے والے ہیں انھیں حتمی طور پر اس جہیز کی لعنت کے خلاف صف آرا ہونا پڑے گا اور خصوصاً نوجوانوں کو اس راہ میں قربانی دینی پڑے گی اور جہیز خوروں کو مانگنے سے روکنا پڑے گا؛ تا کہ بہت ساری دوشیزائیں بن بیاہی اپنے والدین کے کمزور کاندھوں پر بوجھ بن کر بیٹھی نہ رہ جائیں، آئیے ہم سب اس لعنت سے توبہ کریں اور اپنے گھر کو نمونہ عمل بنائیں!

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور نے سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہرعلوم سہارنپور سے شائع کیا۔

علماء وطلباء سے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باتیں

ترجمانی : مولانا مفتی سمیع الرحمن
استاذ ورفیق شعبۂ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

عالم عرب کے معروف عالم دین صالح احمد شامی نے ملفوظاتِ صحابۂ کرام کا ایک مجموعہ ''مواعظ الصحابہ'' کے نام سے شائع کیا ہے، اس مجموعے میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منتخب ملفوظات ترجمہ وتشریح کے ساتھ پیش خدمت ہیں، جن کا تعلق براہ راست طلبا اور علماء کرام کے طبقے سے ہے۔

طلباء کی صفات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب نوجوانوں کو طلب علم میں مشغول دیکھتے تو خوش ہو کر فرماتے:

مرحباً بینابیع الحکمة، ومصابیح الظلم، خلقان الثیاب، جدد القلوب، حبس البیوت، ریحان کل قبیلة۔

اے حکمت ودانش کے چشمو! جہالت کے اندھیروں میں علم کے روشن چراغو! حصول علم کی کوششیں تمہیں مبارک ہوں، تمہارا لباس بوسیدہ؛ لیکن دل تروتازہ رہتا ہے، بے مقصد گھومنے پھرنے کے بجائے اپنی اقامت گاہوں تک محدود رہتے ہو، تم ہر قبیلے کے پھول ہو۔

فوائد: (۱) طلباء کو خوش آمدید کہنا چاہیے، اپنے رویوں سے انھیں دل برداشتہ کرنے کی بجائے ان کی نادانی پر صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے، مولانا فضل امام خیر آبادی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۴ء ہندوستان کے معروف عالم گزرے ہیں، ان کے صاحبزادے فضل حق کا ایک واقعہ

معروف ہے، ان کے پاس بڑی عمر کا ایک پٹھان طالب علم پڑھتا تھا، جو غبی اور کند ذہن تھا، مولانا کا عنفوان شباب تھا، تحمل اور بردباری کی کمی تھی، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے تنگ آ کر غصے میں کتاب اس کے سر پر دے ماری، وہ منہ بسورتا ہوا ان کے والد مولانا فضل امام کے پاس گیا اور شکایت کی، وہ سیدھے درس گاہ میں آئے اور بیٹے کے سر پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ دستار فضیلت دور جا گری اور غصے میں فرمایا:

''تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، نازونعم میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھ دی، اس نے خاطر داری سے پڑھایا، طالب علم کی قدر تو کیا جانے؟ اگر مسافرت اختیار کرتا، بھیک مانگتا، مسجدوں میں قیام کرتا اور طالب علم بنتا تو تجھ کو حقیقت معلوم ہوتی، طالب علم کی قدر ہم سے پوچھو''۔ (مثالی اساتذہ، مثالی طلباء، ص: ۴۱)

اس مادی دور میں مستقبل کے سہانے خوابوں کو فراموش کر کے دور دراز کے علاقوں، دشوار گزار راستوں کے سفر کی مشقتیں اٹھا کر کسمپرسی کے عالم میں علوم نبوت کو اپنے سینے سے لگانے والے مہمانانِ رسول کی عزت افزائی اور ان کے علمی افادے کو اپنا شرف سمجھنا چاہیے۔

(۲) طلباء دین کو اپنی ظاہری شکل وصورت کی تزئین میں منہمک ہونے کی بجائے دل کی دنیا کو باطنی گندگی (تکبر، بغض، حسد، خود پسندی، قومی، لسانی، علاقائی تعصب اور عشق مجازی) سے پاک کرنے اور اخلاقِ حسنہ، تواضع، عاجزی، ادب، اخوت، ایثار سے سنوارنے کی کوششوں میں لگے رہنا چاہیے۔

(۳) بے مقصد گھومنے پھرنے اور تفریح میں پڑنے کے بجائے طالب علم کو اپنی فکر ونظر اور چلت پھرت کا محور محض ''علم'' کو بنانا چاہیے۔

حصول علم کا مقصد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تعلموا العلم، فإذا علمتم فاعملوا۔ وقال:ويل لمن لا يعلم ولو شاء الله

لعلمه، وويل لمن يعلم ثم لا يعمل سبع مرات"۔

علم دین حاصل کرو، جب حاصل کرلو تو اس پر عمل بھی کرو، پھر فرمایا: جاہل کے لیے ایک ہلاکت ہے اگر وہ جاہل ہی رہے اور اللہ چاہے تو اسے علم دے کر اس ہلاکت سے نکال بھی سکتا ہے؛ مگر جو شخص علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کرے اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔

فائدہ: سات کا عدد محض کثرت کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کے لیے ہلاکتیں ہی ہلاکتیں ہیں، کیونکہ بے عمل ہر لمحے رحمت الٰہی سے دور ہوتا جاتا ہے، لہٰذا مقصد علم، عمل ہونا چاہیے، علم برائے علم، یا علم برائے اسناد اور اسناد برائے ذریعۂ معاش اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے، تصحیح نیت کے ساتھ تبعاً ان امور سے واسطہ پڑے تو کوئی حرج نہیں۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إن الرجل لا يولد عالما وإن العلم بالتعلم" ۔(العقد الفريد :۲/۷۳)

انسان ماں کے پیٹ سے عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا، علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔

فائدہ: علم کسی صاحب فضل وعلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے آتا ہے، کسی کی راہنمائی کے بغیر علمی مدارج طے کرنے کے خواب دیکھنا احمقوں کا کام ہے، بعض اوقات طالب علم کی خود پسندی اور اس کا مصنوعی وقار اس کے تحصیل علم میں آڑ بن جاتا ہے، اسی طرح بعض اوقات علمی خانوادوں کے چشم وچراغ "پدرم عالم بود" کے زعم میں مبتلا ہو کر علم وفضل سے محروم رہ جاتے ہیں، علمی استفادے کی لذت اس وقت تک حاصل نہیں کی جاسکتی جب تک طالب علم اپنا مصنوعی وقار اور خود پسندی کا لباس اتار نہ دے اور اصحاب علم سے استفادے میں کسی قسم کی جھجھک محسوس نہ کرے۔

علم بھولنے کی وجہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إني لأحسب الرجل ينسیٰ العلم كان يعلمه لخطيئة يعملها"۔

جو شخص علم دین کی کوئی چیز جاننے کے بعد بھول جائے، میرے خیال میں یہ اس کے کسی گناہ کا اثر ہے جو اس سے صادر ہوا ہے۔

فائدہ: بھول پن کے کئی مادی اسباب بھی ہو سکتے ہیں، جو انسان کو مختلف احوال میں لاحق ہوتے رہتے ہیں، لیکن اگر انسان کو دنیاوی دھندے تو نہ بھولنے پائیں؛ مگر علم دین کے وہ مسائل جنہیں وہ جان چکا تھا، بھول پن کا شکار ہو جائیں تو یقیناً یہ کسی گناہ کا ثمرۂ بد ہے جو اس سے صادر ہوا ہے، یہی نسیان کا روحانی سبب ہے، علم دین کی حفاظت گناہوں سے محفوظ ہونے میں ہے۔

علم خشیت الٰہی کا نام ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ليس العلم بكثرة الرواية ولكن العلم الخشية"۔

علم خشیت الٰہی کا نام ہے، نہ کہ کثرت روایات کا۔

فائدہ: ایک صحابی رسول کی فراست ایمانی کا اندازہ لگائیے، خیر القرون میں رہتے ہوئے انہوں نے جس علمی فتنے کی نشاندہی فرمائی ہے، آج اسے فتنہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

علم دین کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ معرفت الٰہی حاصل ہو، اس معرفت کے نتیجے میں انسان کا رواں رواں خشیت الٰہی میں ڈوب کر سراپا اطاعت بن جائے، خشیت معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور معرفت علم سے، انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ معرفت سب سے مستند علم "وحی" سے براہ راست حاصل ہوئی تھی؛ اس لیے ان میں خشیت الٰہی بھی بہ کمال پائی جاتی ہے، اس تعلق علم کی وجہ سے علماء کرام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ عام لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ {انما يخشى الله من عباده العلماء} "کہ اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"، جو علم انسان کو خشیت سے

دو چار کرنے کے بجائے محض جستجو کے لیے مہمیز کا کام دے، اس سے پناہ مانگنی چاہیے، ایسا شخص قابل رحم ہے جس کی معلومات تو وسیع ہوں، مقالے، مضامین، علمی تحقیقات نوک قلم پر ہوں، ہر عہد کی کتابوں سے نام بہ نام واقفیت ہو؛ مگر دل خشیت الٰہی سے خالی ہو۔

ایک اضافی خوبی کے لیے حقیقی مقصد کو نظر انداز کر دینا، پانی کی تلاش میں سراب کے پیچھے جان گنوانے کے مترادف ہے۔

علماء پر شہداء کا رشک

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"عليكم بالعلم قبل أن يرفع، ورفعه موت رُواته، فو الذي نفسي بيده! ليودن رجال قتلوا في سبيل الله شهداء أن يبعثهم الله علماء لما يرون من كرامتهم، فإن أحدا لم يولد عالما، وإنما العلم بالتعلم"۔

علم کو اس کے اٹھ جانے سے قبل ہی حاصل کرلو، اہل علم کا فوت ہوجانا ہی علم کا اٹھ جانا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہوجانے والے لوگ جب اپنی آنکھوں سے علماء کی قدر و منزلت کا مشاہدہ کریں گے تو حسرت کریں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ انھیں بھی علماء کی صف میں اٹھاتا، کوئی شخص بھی عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا اور علم، علم حاصل کرنے سے آتا ہے۔

فائدہ: اسلام کی سربلندی اور دفاع امت کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا قابل قدر قربانی ہے؛ لیکن علماء حق کی قربانیاں اپنے پہلو میں ''افضل الجہاد'' کی حیثیت رکھتی ہیں، اس مقدس جماعت کے افراد امت مسلمہ کی ایمانی دولت کے محافظ بن کر پوری زندگی شیطانی قوتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں، میدان کارزار میں اترنے والا مسلح سپاہی دشمن کے ایک وار سے اپنے اوپر شہید حق کی خلعت سجالیتا ہے؛ مگر حق گو عالمِ دین دشمنوں کی بھیڑ میں رہ کر صبح

وشام اپنی آرزوؤں کا خون کر کے گلستانِ اسلام کی آبیاری کرتا رہتا ہے۔

اعترافِ جہالت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو شخص ہر سوال کا دھڑلے سے جوب دیتا چلا جائے وہ بے وقوف ہے، پھر فرمایا: عالم کی ڈھال یہ کلمہ ہے: ''مجھے معلوم نہیں''، پھر اگر کسی مسئلے سے ناواقف ہونے کے باوجود اعتراف جہالت کرنے کی بجائے جواب دینے کی غلطی کر بیٹھا تو برباد ہو گیا''۔ (الأحیاء: ۹۱/۱)

فائدہ: کسی مسئلے کا جواب سوچ سمجھ کر اور صورت مسئلہ کو جان کر دینا چاہیے؛ اس لیے محتاط اہل علم پیچیدہ مسائل کا جواب تحریری صورت میں دیتے ہیں، اس میں خطا کا امکان کم ہوتا ہے، بعض اوقات انسان کی ''انا'' اعترافِ جہالت کے لیے آڑ بن جاتی ہے اور مسئلے کا جواب کسی قاعدے اور نظیر کو سامنے رکھ کر دے دیتا ہے؛ لیکن اس میں ٹھوکر کھاتا ہے؛ اس لیے جب تک یقینی مسئلہ معلوم نہ ہو، جواب سے گریز کرنا چاہیے، اس سے اعتماد بھی بڑھ جاتا ہے۔

حرام خوری کی نحوست

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص مال حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء خواہ مخواہ نافرمان ہو جاتے ہیں اس کو خبر ہو یا نہ ہو اور جس کی غذا حلال ہوتی ہے اس کے اعضاء اطاعت کرتے ہیں اور اس کو خیرات کی توفیق ہوتی ہے۔

"وقال سهيل رضی اللہ عنہ مَنْ اَكَلَ الْحَرَامَ عَصَتْ جَوَارِحُهُ شَاءَ أَمْ أَبَى عَلِمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَمَنْ كَانَتْ طُعْمَتُهُ حَلَالاً إِطَاعَتِهِ جَوَارِحُهُ وَوُفِّقَتْ لِلْخَيْرَاتِ"

(۲/۸۲، احیاء العلوم) ماخوذ از تفسیری خطبات

آپ بیتی سے اقتباس جواہر

نکاح کی مروجہ رسوم کی مذمت

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں، مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو بے حد لغویات اس میں شامل کرکے اس کو ایک مصیبت عظمیٰ بنالیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ سنت ہی کا درجہ رکھتا تھا، یہ لغویات جو ہم نے شامل کرلی ہیں ان کا شائبہ بھی اس زمانہ بھی نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ کو جو عشق حضورؐ سے تھا وہ کسی سے مخفی نہیں، اس کے کچھ نمونے میں اپنے رسالہ ''حکایات صحابہ'' میں لکھ چکا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ایک مشہور صحابی ہیں، عشرۂ مبشرہ میں ہیں، حضورؐ کے جاں نثاروں میں ہیں، مگر اپنی شادی میں حضورؐ کو بلانا تو درکنار، خبر بھی نہ کی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کپڑوں پر صفرہ کا اثر دیکھا، یہ ایک قسم کی خوشبو ہے جو اس زمانہ میں شادیوں کے موقعہ پر استعمال کی جاتی تھی، اس کو دیکھ کر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے، کیا تم نے شادی کرلی؟ انہوں نے عرض کیا جی حضور!۔

حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ جو نکاح بہت ہلکا پھلکا ہو وہ بہت مبارک ہے، مگر افسوس ہے کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنادیا، نہ معلوم کتنی نمازیں اس کی نذر ہوجاتی ہیں، بعض جگہ تو مصیبت یہ ہے عین نماز کے وقت بارات رخصت ہوتی ہے کہ جس سے دولہا دولہن اور سارے باراتیوں کی جماعت فوت ہوتی ہے، جس کی ابتداء اس نحوست سے

ہوتی ہو، اس کی منتہاء پر آپس میں لڑائیاں، فتنہ، فساد جتنا ہو، وہ کم ہی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو حمل اس صحبت سے ٹھہرے جو نماز کے وقت میں کی گئی ہو، یعنی اس سے نماز فوت ہوئی ہوتو اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ عاق بالوالدین ہوتا ہے، یعنی والدین کا نافرمان اور ان کو تکلیف پہنچانے والا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرماوے اور ہم کو ہدایت سے نوازے، اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ ان ہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں ایک لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں، شادی کا انتظام نہیں ہوسکتا، اور اس سے زیادہ بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ بعض جگہ اس مصیبت کے لئے سود پر روپیہ لینا پڑتا ہے، جس کے متعلق قرآن پاک میں اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی اور اعلانِ جنگ بتلایا گیا ہے، اللہ سے لڑائی اور اس کے پاک رسول سے اعلانِ جنگ کے بعد کون پنپ سکتا ہے اور ان ساری مصیبتوں کا عذر اور مجبوری یہ بتلائی جاتی ہے کہ ناک کٹ جاتی ہے، میں نے توسینکڑوں اکابر واحباب کو ان خرافات کے بغیر سادگی کے ساتھ نکاح کرتے دیکھا مگر کسی ایک کی بھی ناک کٹی ہوئی نہ دیکھی۔

استغفار کا وقت مستحب:

توبہ واستغفار بندہ کسی بھی وقت کرلے فائدہ ہی فائدہ ہے، مگر بعض خاص اوقات، دعاو استغفار کی قبولیت کے ہیں۔ خاص طور پر رات کے آخر کا تہائی حصہ (تہجد کا وقت)، اس وقت بندہ جو بھی دعاء واستغفار کرلے اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت سے نوازتے ہیں، بلکہ ازخود اعلان فرماتے ہیں: کہ کوئی مجھ سے مانگے تو میں عطا کروں، معافی چاہے تو اسے معافی دوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رات کے آخر کے تہائی حصہ میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں: ہے کوئی جو مجھ سے دعاء مانگے اور میں اس کی دعاء قبول کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے گناہوں کی معافی طلب کرے اور میں اسے معافی عطا کروں؟ صبح تک یہ اعلان ہوتا رہتا ہے۔ (رواہ البخاری، رقم ۱۲۸۹)

فتاوی

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

کسی بزرگ کی قبر سے پتھر اور ڈھیلے لے کر مریض کے بدن پر ملنا وغیرہ

کسی بزرگ کی قبر سے پتھر یا ڈھیلے کر مریض کو پلانا یا جب بچہ زیادہ روتا ہو تو اس پر ملنا جائز نہیں، کیوں کہ اگر قبر وقف کی زمین میں ہے تو اس سے پتھر اور ڈھیلے اٹھانا ہی جائز نہیں او راگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو مالک کی اجازت سے پتھر یا ڈھیلے اٹھانا فی نفسہ جائز تو ہے لیکن کسی مریض کو پلانا یا زیادہ رونے والے بچے پر ملنا جائز نہیں، کیوں کہ فسادِ عقیدہ کا خطرہ ہے۔

نیکر پوش کھلاڑیوں کا میچ دیکھنا

آج کل جو فٹ بال ٹورنامنٹ کرائے جاتے ہیں ان میں کئی قباحتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً

۱- ہر ٹیم سے فیس لی جاتی ہے، جو کہ حرام ہے۔

۲- ستر کھولا جاتا ہے۔

۳- نمازوں کے اوقات کی بالکل پروا نہیں ہوتی وغیرہ۔

اس لیے ایسا ٹورنامنٹ منعقد کرانا اور اس میں شرکت کرنا حرام ہے اور جب یہ فعل حرام اور منکر ہوا تو حدیث میں تو ان کے روکنے کا حکم دیا گیا ہے، چہ جائیکہ خود بھی تماشائی بن کر ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

اس لیے ایسا میچ دیکھنا جائز نہیں، اور ستر دیکھنے کا گناہ مزید برآں اور منکر کو دور سے دیکھنا بھی جائز نہیں۔